جلد ۲۴ (رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۶۰۳) عدد ۲،

ماہنامہ

میثاق

لاہور

ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۶ء

اشاعت خصوصی ——— مشتمل بر

اسلامی تصوف

میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

تالیف : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیر :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۱۲ - افغانی روڈ ، سمن آباد - لاہور

(فون : ۴۱۳۹۴۵)

چندہ سالانہ ۱۵/- ——— اس شمارے کی قیمت فی پرچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مدیر

بخدمت قارئین 'میثاق' و رفقائے تنظیم اسلامی

السلام علیکم و رحمۃاللہ و برکاتہ!

ممکن ہے کہ بعض حضرات 'میثاق' کی معمول کی اشاعت کے بجائے ایک علمی تصنیف پر مشتمل اس خاص نمبر کو دیکھ کر فوری طور پر بد دل ہوں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ مطالعے کے بعد ان کے احساسات اس فوری تاثر کے بالکل برعکس ہوں گے، اس لیے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ کا یہ نہایت اہم اور انتہائی تحقیقی مقالہ واقعۃً حد درجہ قیمتی اور قابل قدر ہے۔ یہ مقالہ اولاً 'میثاق' میں مارچ تا ستمبر ۶۸ء بالاقساط شائع ہوا تھا۔ اس وقت بھی اس کی بہت پذیرائی ہوئی تھی اور ان شاءاللہ العزیز اب بھی علمی حلقے اس کی نہایت قدر کریں گے۔ میرے لیے اس سے دلچسپی کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل حق تصوف سے اس قدر بیزار کیوں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح ہماری تاریخ کو مسموم کیا گیا ہے اسی طرح تصوف کے لٹریچر میں بھی ایک باقاعدہ سازش کے تحت زہر گھول دیا گیا ہے۔ اب ہر شخص کے پاس نہ تو اتنی فرصت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ ہر ایک کے بس کا روگ ہے کہ وہ چھان بین کر کے دیکھے کہ اس وسیع ذخیرے میں حقیقت کتنی ہے اور ملاوٹ کتنی۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ضخیم دفاتر کھنگال کر مختصر ترین الفاظ میں ایک نہایت اہم راز کو بے نقاب کر دیا ہے۔ احباب و رفقاء سے توقع ہے کہ وہ اس کو جلد از جلد وسیع ترین حلقے میں پھیلا دیں گے کہ "عاقلاں را اشارہ کافی است!"

اگست کی چھ تاریخ سے پندرہ تاریخ تک بحمد اللہ و بفضلہ، راولپنڈی - اسلام آباد کی فضائیں 'دعوت قرآنی' سے گونجتی رہیں۔ دو مساجد میں خطبۂ جمعہ اور بعض دوسرے مقامات پر درس قرآن کے علاوہ ۸ تا ۱۴ اگست انجمن فیض الاسلام راولپنڈی کے یتیم خانے کی عمارت واقع فیض آباد کے 'میاں حیات بخش ہال' میں روزانہ عصر تا عشاء درس قرآن ہوتا رہا۔ پچاس کے لگ بھگ اصحاب بیرون سے آئے تھے جو وہیں مقیم تھے۔ ان کے علاوہ کم و بیش دو صد حضرات راولپنڈی و اسلام آباد سے شریک ہوتے رہے۔ جن میں خواتین کی تعداد بھی خاصی تھی ——

—— تیسری سالانہ قرآن کانفرنس کی طرح اس کی مفصل رپورتاژ بھی رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب نے اپنی علالت کے باوجود لکھ دی ہے۔ جس میں مشفق مکرم شیخ جمیل الرحمان صاحب نے مزید اضافے کر کے چار چاند لگا دیے ہیں۔ یہ

(بقیہ کور کے صفحہ ۳ پر)

اِسلامی تصوّف

میں غیر اِسلامی نظریات کی آمیزش

تالیف:

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدّامُ القرآن لاھور (رجسٹرڈ)

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد - لاہور

(فون: ۴۱۳۹۴۵)

جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ

★

بارِ اوّل ------- شوّال المکرّم ۱۳۹۶ھ / اکتوبر ۱۹۷۶ء ... ۱

★

طابع --------- چوہدری رشید احمد

مطبع --------- مکتبہ جدید پریس

شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

ناشر --------- ڈاکٹر اسرار احمد

مقامِ اشاعت ------ مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

۱۲۔ افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

قیمت فی نسخہ ―/۵ روپے (محصول ڈاک علاوہ)

فہرست

★ تقریظ ۔۔۔۔۔ از قلم مولانا امین احسن اصلاحی صفحہ ۵

★ دیباچہ از مؤلّف ------- // ۸

★ مُسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف
کی اشاعت کے اسباب —— // ۹

● پہلی بحث -------- // ۱۰
● دوسری بحث -------- // ۱۷
● تیسری بحث -------- // ۲۲
● چوتھی بحث -------- // ۲۷
● بکتاشی فرقہ -------- // ۲۹
● نوربخشی سلسلہ -------- // ۳۰

★ اکابر اہل سُنّت کی تصانیف
میں تدلیس و تدسیس —— // ۴۹
● پروفیسر سعید نفیسی کی رائے ------ // ۴۹
● حدیقۃ الحقیقۃ تالیف حکیم سنائی غزنوی --- // ۵۴

● فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء	صفحہ	۵۹
● جامی پر دست درازی	"	۶۲
● رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق	"	۶۶
● شیخ محی الدین ابن عربی پر ظلم	"	۶۷
● بعض دوسری مثالیں	"	۶۹
★ باطنیّت	"	۸۱
★ باطنیّت کے اثرات تصوّف پر	"	۸۹
★ استدراک	"	۱۲۱

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تقریظ

از قلم ——— مولانا امین احسن اصلاحی

یہ مقالہ ہمارے محترم دوست، پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو میثاق کے صفحات میں شائع کیا گیا تو میثاق کے قارئین اور دوسرے علمی و مذہبی حلقوں میں نہایت پسند کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے قدر دانوں کے شدید اصرار پر اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے ——— پروفیسر صاحب موصوف کے متعلق یہ بات اس مقالہ کے پڑھنے والوں کے علم میں رہنی چاہیئے کہ وہ تصوّف کے مخالفوں میں نہیں بلکہ اس کے پُرزور حامیوں میں ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب، جس سے یہ مقالہ لیا گیا ہے، تصوّف کی حمایت اور اس کے مبادی و مقاصد کی وضاحت ہی میں موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے۔ وہ خود ایک سلسلۂ تصوّف میں مرید، مزاجاً صوفی اور تصوّف پسند ہیں۔ لیکن اس کوچہ کی عام روایت کے خلاف ان کے اندر دو باتیں قابلِ رشک بلکہ قابلِ تقلید ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ دوسری یہ کہ وہ وسعت مطالعہ کے ساتھ نہایت گہری تنقید کی صلاحیّت کے بھی مالک ہیں اور یہ دونوں وصف بیک وقت کسی شخص، بالخصوص ایک صوفی مزاج شخص میں مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں۔

میں خود اس مقالے سے نہایت درجہ متاثر ہوا ہوں۔ اربابِ تصوّف کی چیزیں پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ ان کی کتاب و سنت سے ہٹی ہوئی باتوں سے وحشت ہوتی تھی۔ میں ان چیزوں کو خود تصوّف کی خرابی پر محمول کرتا تھا۔ لیکن پروفیسر صاحب کے اس مقالہ سے مجھ پر پہلی مرتبہ یہ بات بدلائل واضح ہوئی کہ ہمارے تصوّف میں بھی انہی چور دروازوں سے بہت سے فتنے داخل ہوئے ہیں، جن سے تاریخ، حدیث، فقہ، تفسیر

ادب اور فلسفہ میں داخل ہوئے ہیں۔اس حقیقت کے واضح ہونے سے نفس تصوف سے میری بیزاری کم ہوئی ہے۔اب میں زیادہ قصور ان لوگوں کا سمجھتا ہوں جو اپنی سادگی اور عامیانہ تقلید کے سبب سے روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ نہ ہوسکے اور تصوّف کے چشمۂ صافی کو انھوں نے ایک جوہڑ بنا کے رکھ دیا۔

مجھے اس احساس سے دلی مسرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جس طرح عالمانہ تنقید کا نہایت اعلیٰ کام بعض اہل قلم سے تاریخ پر ہورہا ہے اسی طرح کے تنقیدی کام کی بنیاد، تصوّف سے متعلق ہمارے محترم پروفیسر صاحب نے اپنے اس بیش قیمت مقالے سے رکھ دی ہے۔ساری مشکل بس پہلا چراغ جلانے میں ہوتی ہے۔ایک چراغ جل گیا تو اسی ایک سے بہت سے چراغ جلائے جاسکیں گے۔ہمیں توقع ہے کہ یہ مقالہ بہتوں کے لئے رہنما ثابت ہوگا۔اور کیا عجب کہ اس سے دوسرے اصحاب علم کو بھی اس موضوع پر کام کرنے کا حوصلہ ہو اور وہ نہ صرف سارے صوفیانہ لٹریچر بلکہ خود تصوّف کے اصول ومبادی کو بھی کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کے اس کے کھرے اور کھوٹے میں ایسا امتیاز قائم کردیں کہ ایک عام آدمی بھی دھوکے سے محفوظ ہوجائے۔میں علیٰ وجہ البصیرت یہ رائے رکھتا ہوں کہ معاملہ صرف تصوّف کی کتابوں میں الحاق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ خود ہمارے صوفیا نے بھی بہت سے ایسے اصول باطنی فلسفیوں کے ہاتھوں اپنا لئے ہیں جو اب تصوّف کے مسلمات میں سے سمجھے جانے لگے ہیں حالانکہ ان کو کتاب وسنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔میں نے اس طرح کی بعض چیزوں کا اپنی کتاب۔تزکیۂ نفس۔میں حوالہ دیا ہے۔ضرورت ہے کہ اس نقطہ نظر سے ان بزرگوں کی کتابوں کا خاص طور پر جائزہ لیا جائے جن کی ہر چیز ہمارے ہاں ماخذ ومرجع سمجھی جاتی ہے اور ان پر کسی تنقید کی جرأت لوگ آسانی سے نہیں کرتے۔

تنقید کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم وتحقیق کے ساتھ جو تنقید ہوتی ہے وہ علوم کے لئے آب حیات ہے۔اسی سے علم کو سیرابی،تازگی،شادابی اور زندگی حاصل ہوتی ہے اور یہ زندگی ملت میں حرکت وعمل کی لہر پیدا کرتی ہے۔اگر یہ چیز ناپید

ہو جائے تو فکر و نظر کی قوتیں جامد اور حرکت و عمل کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس صورت حال سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو دین و ایمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ یا تو الحاقی چیزوں کو بنیاد قرار دے کر ان پہ گمراہی کا ایک پورا فلسفہ تیار کر دیتے ہیں یا ان کی آڑ لے کر دین کی بنیادی باتوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت بدقسمتی سے ہم اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف جمود اور عامیانہ تقلید کی بے حسی ہے ، دوسری طرف خود سرانہ اور جاہلانہ تنقید کی بے راہ روی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان خفتہ پاسبانوں اور ان بے باک لیڈروں کے ہاتھوں تمام متاع ملت تاراج ہو رہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو متاعِ ملّت کی حفاظت کے لئے اپنے اندر غیرت و حمیّت بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اللہ نے ان کو وہ بصیرت بھی عطا فرمائی ہو جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز اور اصلی و الحاقی میں فرق کر سکیں ، باطل کو مٹائیں اور جو حق ہے اس کو دلائل کی تازہ دم کمک کے ساتھ میدان میں لائیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ مقالہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بصیرت سے نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت، عمر اور اوقات میں برکت دے کہ وہ اس قسم کی بہت سی مفید چیزیں لکھ سکیں۔

میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اس قیمتی مقالہ کو پروفیسر صاحب کے خزانہ مسودات سے برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کو اس کے قدر دانوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا اللہ تعالےٰ اس کار خیر کے لئے ان کو جزائے خیر دے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ کتابچہ میری زیر تالیف کتاب "تاریخ تصوف" کا ایک باب ہے جس میں ان عناصر اور عوامل کی نشاندہی ہے جن کی وجہ سے اسلامی تصوف میں، جو در اصل دینِ اسلام کی روح ہے اور اس کی جان ہے، غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ نفس تصوف ہی سے بدظن ہو گیا۔ دوسری طرف خود یہ غیر اسلامی تصوف اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا بلکہ جہلا کے حق میں توافیون بن گیا۔ اور اہل خانقاہ کے حق میں بے عملی کا بہانہ بن گیا۔

اقبال نے اپنے اردو فارسی کلام میں جگہ جگہ اسی غیر اسلامی تصوف کی مذمت کی ہے اور بلاشبہ یہ ہے بھی مذمت کے لائق۔ یہ اسی غیر اسلامی تصوف کا نتیجہ ہے کہ وہ خانقاہیں جہاں مسلمانوں کو ایزد پرستی کا درس دیا جاتا تھا آج شخصیت پرستی بلکہ قبر پرستی کا مرکز بنی ہوئی ہیں اور جہاں ہر طرف اتباع رسولؐ کے جلوے نظر آتے تھے، آج وہ خانقاہیں قوالی کی محفلوں میں تبدیل ہو گئی ہیں بلکہ شرک و بدعت کا مرجع بن گئی ہیں:۔

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی (اقبالؔ)

میں محترمی و مکرمی مولانا امین احسن اصلاحی کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتابچے کیلئے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اور برادرم اسرار احمد سلمہ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ مجھے اس ضخیم کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وابستۂ دامنِ حضرتِ مدنیؒ
فقیر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں[1] کہ اسلامی تصوف، قرآن و حدیث (سنتِ نبویؐ) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں (۱) توحید خالص (۲) تبلیغِ دین (۳) اتباعِ شریعت (۴) خدمت خلق (۵) جہاد

لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لئے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے یعنی (۱) شرک (حلول و اتحاد و انسان پرستی و تجسّم و تناسخ ارواح) (۲) رہبانیت (۳) تخریب دین (۴) اباحت مطلقہ (۵) نفاق و مداہنت[2]

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب تک، ملت اسلامیہ کے تمام مجددین اور اولیائے امت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کر کے بلا خوفِ لومۃ لائم اپنا فرضِ منصبی انجام دیا

بہرکیف جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آ سکتا اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوف مورد طعن نہیں بن سکتا۔ آئندہ سطور

---

[1] دیکھئے میثاق اگست ۱۹۶۶ء

[2] ترجمان حقیقت اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس شعر میں انہی مفاسد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلام باری نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے پیچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

میں ہم یہ دکھادیں گے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوّف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے۔ واضح ہوکہ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے مگر اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم اجمال پر اکتفا کریں گے۔

پہلی بحث واضح ہو کہ ابتدائے اسلام سے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

"اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝" (۵۸/۲۲)

"یہ لوگ (جن کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں) اللہ کی پارٹی یا جماعت یا فوج ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پائے گی۔"

ظاہر ہے کہ اگر کسی فوج یا جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے تو اس کا خاتمہ یا مغلوب ہو کر غلام ہو جانا اور اپنی ہستی سے محروم ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے از روئے عقل و نقل، مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لئے اللہ نے قرآن حکیم میں بار بار مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ دیکھو اپنے اندر فرقہ بندی، گروہ بندی، تشتت، افتراق یا پارٹی بازی کو راہ نہ دینا، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ بخوف طوالت صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں:۔

(ا) "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص" (۳-۱۰۳)

"اے مسلمانو! تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور مختلف فرقوں میں منقسم مت ہو۔" (۳-۱۰۳)

(ب) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ (۳-۱۰۵)

اور اے مسلمانو! ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح مت ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے اللہ کی طرف سے واضح دلیلیں آجانے کے بعد بھی آپس میں اختلاف کیا (اور اس اختلاف کی وجہ سے ان میں عقائد کی خرابیاں پیدا ہو گئیں)

(ج) إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۚ (6/159)
جن لوگوں (مسلمانوں) نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ یا سروکار نہیں ہے۔"

(د) وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۚ (8-46)
"اے مسلمانو! آپس میں نزاع (جھگڑا) مت کرو کیونکہ نزاع سے تفرقہ پیدا ہوگا اور فرقہ بندی سے تمہارے اندر بزدلی پیدا ہوگی اور (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔"

اس آخری آیت سے فرقہ بندی کی مضرت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل کرنے والا مسلمانوں کو ایک متحد الخیال اور متحد المقصد فوج کے افراد قرار دیتا ہے، جن کے حق میں اختلاف سم قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی لئے انہیں متنبہ کرتا ہے کہ دیکھنا! کہیں آپس میں نزاع کو راہ نہ دینا اور فرقوں میں منقسم نہ ہو جانا، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری جماعت کے اندر مختلف الخیال گروہ (فرقے) پیدا ہو جائیں گے اور فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم آپس میں لڑو گے اور آپس کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا، بالفاظِ دگر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کے بعد آخری نصیحت یہ فرمائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تجربہ کار سپہ سالار اپنی فوج کے نوجوانوں کو نصیحت کر رہا ہے۔ فی الجملہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قرآن حکیم مسلمانوں کو اللہ کی فوج قرار دیتا ہے اور اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (58/19)
"یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان کے گروہ کے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔[1]"

---

[1] قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے (۱) حزب اللہ (اللہ کی جماعت) (۲) حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ان دو کے علاوہ جس قدر

یہ حقیقت کہ قرآن کی رُو سے (اللہ کی نگاہ میں) مسلمان قوم یا ملت اسلامیہ، اللہ کی فوج ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ؕ

"بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔ (۶۱-۴)

چونکہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اسی لئے ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری سے غافل نہ ہوں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ الخ (۸-۶۰)

"اے مسلمانو! دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے یعنی مادی قوت فراہم کرو اور گھوڑے باندھو (یعنی پلٹن اور رسالے تیار کرو)

اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یعنی جس طرح دنیاوی حکومتوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو اسی وقت سے وہ اپنی زندگی اور اپنی مرضی افسرِ فوج کے حوالے کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو حزبُ اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جان یا اپنے مال پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ الخ (۹-۱۱۱)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے (جس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہوگا کہ) وہ قتل کریں گے اور قتل ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں اس نوعیت کی آیتیں بہت سی ہیں۔ ایضاح مقصد کے لئے اتنی ہی

آیتیں کافی ہیں. قرآن حکیم نے مسلمانوں کی امتیازی صفت یہ بیان کی ہے.

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ الخ (۴۸-۲۹)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں
(ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (مگر) آپس میں رحیم ہیں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی، اسلام کی ضد ہے کیونکہ فرقہ بندی کا لازمی نتیجہ آپس میں نزاع ہے.

بلاشبہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو "خدائی فوجدار" قرار دیا ہے یعنی ان کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا سے برائی کو مٹائیں اور نیکی کی اشاعت کریں. چنانچہ ارشاد ہوا کہ :

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (۳-۱۱۰)

"اے مسلمانو! تم دنیا میں بہترین جماعت ہو جو انسانوں کو نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے منع کرو گے."

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان خود مختلف فرقوں میں منقسم ہو جائیں گے تو نہ ان میں اتحاد باقی رہے گا نہ دوسروں کی اصلاح کا جذبہ باقی رہے گا اور نہ اس کے لئے وقت مل سکے گا جو جماعت آپس میں لڑنے لگتی ہے وہ خود محتاج اصلاح ہو جاتی ہے.

قصہ کوتاہ قرآن کی ان صریح آیتوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور منشاء ایزدی کی عملاً تردید ہے.

یہ آیتیں صدر اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی مدت میں ان کے اندر وحدتِ افکار و کردار پیدا کر دی تھی. تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی نصب العین تھا یعنی اِعلاءِ کلمۃ الحق. اللہ کے کلمے (قرآن) کو دنیا میں بلند کرنا اُن کا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے تھا.[1]

---

[1] قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. ط (۶-۱۶۲)

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴ پر)

اللہ سے بڑھ کر فطرتِ انسانی کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر وہ کسی شخصیت کو اپنا مقصود بنا لے اور اس کے لئے اپنی زندگی بسر کرنے لگے تو رفتہ رفتہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب غیراللہ مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات بن گیا تو اللہ خود بخود نگاہ اور دل اور دماغ سب سے اوجھل ہو جائے گا اور شخصیت پرستی چونکہ شرکِ عظیم ہے اس لئے مسلمان، مسلمان نہیں رہ سکتا، مشرک ہو جائے گا۔ ویسا ہی مشرک جیسا کہ عیسٰی یا کرشن یا لات و ہبل کا پرستار۔

اس لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور تاریخ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کسی الہامی یا آسمانی کتاب نے شخصیت پرستی کی تردید نہیں کی۔ کسی انسان کی پرستش کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس انسان میں الوہیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ تجسیم یا حلول یا اوتار کے عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ دنیا میں جن جن انسانوں کی پرستش کی گئی ہے۔ پہلے ان میں الوہیت تسلیم کی گئی پھر ان کی پرستش شروع ہوئی اسی لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا جس خوبی سے سدِّباب کیا ہے وہ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔

(و) مسلمانوں کو حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے پہلے آپ کی بشریت اور عبدیت کا اقرار کریں۔

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کلمۂ شہادت میں عبدہٗ پہلے ہے رسول بعد میں ہے۔

(ب) قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱۸-۱۱۰)

"اے رسول آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں"۔

(ج) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ (۳-۱۴۴)

بقیہ حاشیہ صد ۱۳ سے آگے: "آپ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے۔ جو ساری کائنات کا رب ہے"۔

اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر رسول ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو (اے مسلمانو) کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے یعنی اسلام چھوڑ دو گے ؟

اس نص صریح سے ثابت ہوا کہ اسلام کی روح خدا پرستی ہے، شخصیت پرستی نہیں ہے خواہ وہ شخصیت رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخصیت رسول اللہ صلعم سے ارفع نہیں ہے لیکن اللہ نے اپنے دینِ اسلام کو رسول صلعم کی شخصیت سے بھی وابستہ نہیں کیا — تا بدیگراں چہ رسد ؟

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ خدا پرستی کا نام ہے یعنی مسلمان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ ہے جو حیّ لَا یَمُوت ہے۔

جب سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کو حادثۂ رحلتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی تو آں جنابؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخِ روشن سے چادر اٹھائی۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ گریہ کناں آپؐ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے۔

> "میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر دی تھی، وہ تو آپ کو آ ہی گئی۔"

یہ کہہ کر مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا فاروقِ اعظمؓ کہہ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی ہے صدیق اکبرؓ

نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آں جناب رضؓ نے تقریر شروع کی۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات (صلی اللہ علیہ وسلم) ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ الخ

"جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیتے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل، پیچھے کو لوٹ جاؤ گے ؟ (اسلام ترک کر دو گے ؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا۔"

یہ تقریر سن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آخری آیت گویا انہیں معلوم ہی نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا، اور یہ آیت اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

خلاصۂ کلام این کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضؓ نے زبانی تعلیم اور اپنے طرز عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے حق میں سم قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت شیخین رضؓ میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا

اور اس وحدتِ فکر و عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ مسلمانوں نے خلافت شیخین رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں عدیم المثال کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل تاریخ اسلام کے صفحات سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ کامیابی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج تک بہت سے غیر مسلم مؤرخین کے لئے ایک عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ اقبالؔ نے اسی عقدے کو اس شعر میں حل کیا ہے ؎

وحدتِ افکار و کردار آفریں　　　تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

دوسری بحث مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی، اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکی۔ چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لئے، حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ ابن سبا نے مدینے میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کے لئے مسلک نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عبداللہ ابن ابی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا وہ جب تک زندہ رہا فتنہ پردازی میں مشغول رہا لیکن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں، دینِ حق میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہ کر سکا۔

چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے اس لئے اس کی فتنہ پردازی کی داستان قلمبند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ اس کی شخصیت متحقق ہو جائے۔

۱۔ مہدی توحیدی پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانس (جامیؒ) کے مقدمے میں صفحہ ۲ پر لکھتا ہے

"اولیں کسیکہ نسبتِ الوہیت بحضرت امیر داد، عبداللہ ابن سبا بود کہ در زمانِ آنحضرت زندگی میکرد۔"

ترجمہ:۔ "پہلا شخص جس نے حضرتِ امیر کو الوہیت سے نسبت دی عبداللہ

ابن سبا تھا جس نے آنحضرت کے زمانے میں زندگی بسر کی"۔

۲۔ ڈاکٹر کلین (KLEIN) الابانہ عن اصول الدیانہ کے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں صہ ۸ پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا یہودی نومسلم نے جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو ان سے یہ کہہ کر مخاطب ہوا "اَنْتَ اَنْتَ" اس جملے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے اسے جلا وطن کر دیا کیونکہ ان کی رائے میں یہ جملہ کفر صریح تھا۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں ہو چکا تھا کہ حضرت علیؓ اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز یہ کہ ان کے اندر الوہیت کا ایک جزو حلول کر گیا تھا اور یہ جزو الوہیت بصورتِ تناسخ ارواح، ان کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا۔"

۳۔ سرولیم میور (MUIR) اپنی تصنیف "الخلافت۔ اس کا عروج، انحطاط اور زوال" میں صہ ۲۱۶ پر لکھتا ہے۔

"۳۲ھ میں جبکہ ابن عامر، بصرے کا گورنر تھا، عبداللہ ابن سبا نے جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے، بصرے میں آکر اسلام قبول کیا۔ لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ دراصل حکومت وقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ذات مجسم بغاوت تھی۔ چنانچہ انہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ، کوفہ اور دمشق سے پے در پے جلا وطن کیا گیا۔ انجام کار مصر میں اسے گوشۂ عافیت میسر آ گیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب و غریب بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کے خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً"

(ا) حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(ب) فی الحال حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے وصی، وارث یا جانشین ہیں

(ج) حضرت عثمانؓ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں۔

اس لئے جب تک ان کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔ مصر میں ان عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہو گئی۔

۴۔ پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف "عربوں کی ادبی تاریخ" میں ص۲۱۵ پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا (جس کا صحیح تلفظ سباع ہے) یمن کے شہر صنعا کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی تھا حضرت عثمان کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا طبری کہتا ہے کہ اس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے مسلمانوں کو "رجعت" کی تعلیم دینا شروع کی یعنی اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر تو ایمان رکھتا ہے کہ مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رجعت کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ خدا نے قرآن مجید (۲۸۔۸۵) میں اعلان فرمایا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گذرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا۔ لہذا حضرت علیؓ آنحضرت کے وصی ہیں جس طرح آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء ہیں حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ ابن سباع (نقل کفر کفر نباشد) خلفائے ثلاثہؓ کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار دیتا تھا اس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے ان سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔" (دیکھو طبری ۱، ۲۹۴۲، ۲)

۵۔ ڈاکٹر جے این ہالسٹر اپنی تصنیف "شیعان ہند" میں ص۱۵ پر لکھتا ہے۔

"حضرت علیؓ کے حق میں عبداللہ ابن سباع نے سب سے پہلے پروپیگنڈہ شروع کیا۔ وہ صنعاء کا یہودی تھا حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جاکر ان عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت (صلعم) دوبارہ اس دنیا

میں تشریف لائیں گے اور حضرت علیؓ آنحضرت (صلعم) کے وصی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہؓ (نعوذ باللہ) غاصب ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے اندر جو الوہیت تھی وہ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی ذات میں منتقل ہو گئی جو لوگ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھے۔ انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔"

۶۔ پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف "عربوں کی تاریخ" مطبوعہ لندن طبع چہارم ۱۹۴۹ء میں ص۲۴۸ پر لکھتا ہے۔

"عبداللہ ابن سبا، جس کی شخصیت ایک معما ہے، حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ہوا اُس نے حضرت علیؓ کی تعظیم میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے۔ یہ شخص غالی شیعہ فرقے (غُلاۃ) کا بانی تھا۔"

۷۔ پروفیسر عباس اقبال، معلم دار المعلمین عالی، طہران، اپنی تالیف "خاندانِ نوبختی" کے ص۲۵۹ پر لکھتا ہے۔

"سبائیہ، اولین فرقہ غلاۃ، طرفداران عبداللہ بن سباء کہ پیش از ہرکس باظہار طعنِ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ پرداختہ و معتقد بحیات جاوید و رجعت حضرت علیؓ و الوہیت او بودہ اند۔ امیر المومنین علی، عبداللہ بن سباء را بقتل رساند۔ فرقہ نصیریہ از بازماندگانِ سبائیہ بودہ اند" لفظی ترجمہ یہ ہے۔

سبائیہ غالی فرقوں میں سے سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ ابن سباء کے طرفدار تھے جنہوں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکر و عمر و عثمان (رضی) پر طعن کا اظہار کیا، اور یہ لوگ حضرت علی کی حیاتِ جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المؤمنین علی نے عبداللہ ابن سبا کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد، اسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے تھے۔

۸۔ امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی مشہور تالیف "الملل والنحل" میں کہتے ہیں۔

"ومن ذلک سبائیہ۔ اصحاب عبداللہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت تو ئی

کہ توئی بکنایہ آں شقاوت پیشہ می گفت کہ تو خدائی اول کسے بود کہ بفرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ قایل شد و اصناف غلاۃ ازیں مخذول منشعب گشتند ۔ ورائے خامد بداں ذاہب شد کہ امام المتقین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتول نگشتہ و دراں حضرت جزوے از اجزائے الٰہی موجود است تعالیٰ اللہ عمّا یقولون رعد صوت اوست و برق تازیانہ اوست۔"

(ترجمہ از افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی، بخش اول ص۱۵۵)

لفظی ترجمہ یہ ہے :۔ اور ان فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے ۔ یہ عبداللہ بن سباء کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی سے کہا کہ تو، تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے ۔ عبداللہ ابن سبا، پہلا شخص ہے جو امامت علیؓ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے ۔ اس کی رائے میں :۔

(۱) حضرت علیؓ مقتول نہیں ہوئے ۔

(۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جز موجود تھا (اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے) رعد ان کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے ۔"

مجھے یقین ہے کہ ان شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامّل نہ ہوگا ۔ کہ عبداللہ ابن سبا، تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا بیج بویا ۔

بازآمدم بر سرِ مطلب :۔

عبداللہ ابن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے ۔

(۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیئے ۔

(۲) مسلمانوں کی وحدت ملی اور یک جہتی یکرنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظ دگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔ یعنی اس نے حضرت علیؓ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کرایا لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیئے تھے۔ ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہو گئی۔ کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن سبا نے تبلیغ کی تھی۔ وہ اُن کے لئے قابل قبول تھے۔ خصوصاً حلول کا عقیدہ جو ان میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

تیسری بحث

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ اُن کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

۱۔ جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲۔ جنہوں نے ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیں اس وقت اسی دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے۔

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہو گئی۔

تاریخ اسلام میں اس تحریک کو ملاحدہ، باطنیہ، تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کی مختصر داستان قلمبند کرتے ہیں کیونکہ

یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

واضح ہو کہ اس فرقے نے شروع سے عبداللہ ابن سباء کے غالی عقائد (عقیدہ الوہیت علی رجعت و تناسخ ارواح و حلول) ہی اختیار کر لئے تھے۔ پروفیسر براؤن ایران کی ادبی تاریخ جلد اول صلا۳ پر لکھتا ہے۔ "جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں:۔

۱۔ تشبیہہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)

۲۔ مشیت ایزدی میں تبدیلی (بداء)

۳۔ امام کی واپسی (رجعت)

۴۔ تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد، قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لئے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف داستانِ قاہرہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۲ء میں صلا۳ پر لکھتا ہے"۔ اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اولیری نے بھی اپنی تصنیف "تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر" میں صلا پر لکھا ہے۔" اسمٰعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں یعنی (۱) تاویل (۲) تجسیم (۳) حلول (۴) تناسخ روحِ امام بقالبِ دیگر۔"

اب ہم براؤن کی تاریخ جلد اول سے اس تحریک کی داستان قلمبند کرتے ہیں۔

مہدی کے عہد حکومت میں المقنع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ المقنع کا اصلی نام عطا تھا۔ اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابو مسلم خراسانی کے جسم میں داخل ہوا اور اس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا ہے۔[1]

---

[1] اس کے دعوے سے ایرانی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا۔ قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اسی لئے اسے المقنع کہتے ہیں۔ یہ شخص ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

۲۔ مامون کے عہد میں بابک خرمی نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ بپا رکھا۔ انجام کار افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ المقنع اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزار دس نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التنبیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لئے زمین ہموار کی۔

۳۔ ہٹی اور براؤن دونوں نے لکھا ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ ابن میمون القداح کے سر ہے الفہرست میں مرقوم ہے۔[1] کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ تھا اس نے پہلے بصرے میں قیام کیا۔ پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ۲۶۱ھ یا ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔

۴۔ حمدان قرمط: یہ شخص القداح کا سب سے بڑا حامی تھا اس کا نام حمدان بن اشعث تھا یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لئے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسمٰعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا۔ اور اسی لئے اسمٰعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہوگیا یعنی قرامطہ۔ قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کرلی اور اس کے بیٹے ابوطاہر نے ۹۳۰ء میں مکے پر حملہ کر کے حجر اسود اکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے[2] بقول براؤن انہوں نے

---

[1] براؤن جلد اول صفحہ ۳۹۶ و ہٹی صفحہ ۴۴۳ [2] یہاں قرامطہ کے مظالم کی داستان بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے بطور نمونہ صرف ایک کارنامہ درج کر دیا ہے۔ ۱۲

سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا۔[1]

القداح کے عقائد:۔ اس نے اپنی تحریک کو اسمٰعیلی فرقے کے ساتویں امام اسمٰعیل سے منسوب کیا۔ اس لئے اس تحریک کا نام اسمٰعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً سبعی، باطنی، تعلیمی، ناطقی، قرمطی، اور حشیشی لیکن مورخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں۔

(ا) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے اس کے بعد بارہ کا عدد مثلاً سبعہ سیارہ اور دوازدہ بروج۔ ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

(ب) اصول ہفت گانہ :۔ خدا، عقلِ کلّی نفس کلّی، انسان، مادہ، زمان، مکان۔

(ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول :۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، آنحضرت صلعم اور محمد التام (کامل) ابن اسمٰعیل ابن جعفر۔

(د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے ایک معاون بھی ہے جس کا لقب صامت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔ آدم کے ساتھ شیث۔ نوح کے ساتھ سام ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل۔ موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ عیسیٰ کے ساتھ پطرس۔ آنحضرتؐ کے ساتھ علیؓ اور محمد بن اسمٰعیل کے ساتھ القداح۔

(ہ) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے مبلغین تیار کئے ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی، مقدس اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے جب لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہو جاتے تھے تو وہ ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعہ سے شکوک وساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے۔ مثلاً

۱۔ خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جبکہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا۔

۲۔ صراط مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

---

[1] براؤن جلد اول صفحہ ۴۰۱

۳۔ عذاب دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟
۴۔ رمی جمار کی حقیقت کیا ہے؟
۵۔ دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟
۶۔ آسمان سات کیوں ہیں؟ سورۂ فاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟
۷۔ کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟
۸۔ حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟ (قرآن ۶۹-۱۷)
۹۔ ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟
۱۰۔ یاجوج و ماجوج اور ہاروت و ماروت سے کیا مراد ہے؟
۱۱۔ تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیوں کھڑے ہو کر چلتا ہے؟
۱۲۔ ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟
۱۳۔ چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟
۱۴۔ صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں؟ جبکہ بقیہ تمام جسم میں صرف دو ہیں؟

یہ سوالات تبلیغ کی ابتدا میں کئے جاتے تھے جب سننے والا مضطرب ہو جاتا تھا تو اس کے دماغ میں فلسفیانہ قسم کے شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے۔
اور جب وہ مبہوت ہو جاتا تھا تو داعی اس سے کہتا تھا کہ تمہارے علماء کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ لیکن اگر تم میرا مذہب اختیار کرو تو میں تمہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا اس کی شرط یہ ہے کہ تم اپنی دولت یا کمائی میں سے ہماری تحریک کی مالی امداد کے لئے ایک رقم معین کر دو اور وعدہ کرو کہ جو تعلیم ہم تمہیں دینگے تم اُسے مخفی رکھو گے۔

اگر سامع اس شرط پر راضی ہو گیا تو اسے اس خفیہ جماعت کے پہلے درجے میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ القداح نے ۹ درجے مقرر کئے تھے آخری درجے میں پہنچ کر طالبِ حق کو اسلام سے بیگانہ کر دیا جاتا تھا۔

مقریزی اور نویری لکھتے ہیں کہ آخری درجے تک پہنچنے کے بعد طالب کے لیئے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اور عقائد کے لحاظ سے وہ شخص فلسفہ مشائین کا پیرو بن جاتا تھا[1]

براؤن لکھتا ہے[2] کہ آخری درجے تک پہنچ کر مرید مذہب اسلام سے بیگانہ ہو جاتا تھا اور فلسفی بن جاتا تھا بقول نویری وہ مانوی یا مجوسی یا فلسفیانہ عقائد اختیار کر لیتا تھا بلکہ اس کا مذہب مختلف عقائد و افکار کا مجموعہ بن جاتا تھا۔

القداح اور قرمط دونوں نے اپنے متبعین کو جنہیں دعاۃ کا منصب دیا۔ یہ نصیحت کی تھی کہ جس شخص کو تبلیغ کرو پہلے اس کے عقائد سے واقفیت حاصل کرو۔ پھر اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کرو تاکہ وہ تم سے بدظن نہ ہو جائے۔ جب وہ تم پر اعتماد کرے تو اس کے عقائد کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا شروع کرو۔ اس لیئے ان دُعاۃ نے ہر جگہ اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی[3]

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوّف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیئے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا یعنی تصوّف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوّف کی بنیاد رکھ دی۔ جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوّف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوّف میں امتیاز کرنا عوام کے لیئے ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں یعنی غیر اللہ کو دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

---

[1] دیکھو تاریخ خلافت بنی فاطمہ مولفہ اولیری صہ ۲۹۰۲

[2] دیکھو براؤن جلد اول صہ ۴۱۵

[3] دیکھو ڈاکٹر اولیری کی تالیف تاریخ خلافت بنی فاطمہ صہ ۳۱،۳

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کئے مثلاً حلول، اتحاد، تجسیم، تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام، ایران کے مختلف طبقوں میں مروّج تھے اس لئے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کئے جائیں جو ایک غیر مسلم اے۔ای کرمسکی (KRYMSKY) نے تصوّف کے ارتقاء پر لکھا تھا اور جسے حال ہی میں اسلامک کوارٹرلی کے مدیر نے مجلّۂ مذکور کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے۔

"صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو سنّت کا سچا محافظ" کہتے تھے لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو جہنمی قرار دے دیتے۔

"یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۸۶۴ء میں عبداللہ ابن میمون القداح نے اسمٰعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو یہ نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تاکہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے حقیقت حال یہ ہے کہ ان جدید اسماعیلیوں نے ایران اور دوسرے ملکوں میں تصوّف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا۔ لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوّف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیئے۔ جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری سے ہو۔ شروع ہو گیا۔"

"(مجلہ اسلامک کوارٹرلی جلد ۶ شمارہ ۳، ۴ بابت جولائی و اکتوبر ۱۹۶۱ء ص ۱۰۵)

یہی مصنف اسی رسالے کے ص ۸۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے:۔

ــــــــــــــ

۵ دیکھو رسالہ قشیریہ ۱۲

"اسمٰعیلی دُعاۃ نے جو پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں آئے، صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے چنانچہ پیر صدرالدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا"

بخوف طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں اور نہ اس فتنہ و فساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتادوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف، جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کس طرح شائع ہؤا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاح مقصد کے لئے بالکل کافی ہے اس فرقے کے افراد نے تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوف کو سراسر غیر اسلامی بنادیا۔ اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نور بخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں:۔

بیکتاشی فرقہ صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (BIRGE) نے اپنی کتاب "درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ" میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوف طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔

"اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں خراسان (اسمٰعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء میں وفات پائی (صد ۳۵) ترکی میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمدؐ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۳) اللہ، محمدؐ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمدؐ اور علیؓ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں (صد ۱۳۲ و صد ۱۳۳)

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا!

حضرت علیؓ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ "خطبۃ البیان" سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

(۱) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمدؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

(۲) میں لوح محفوظ ہوں۔ میں جنبۃ اللہ ہوں۔ میں جنبۃ الانبیاء ہوں۔

(۳) میں قسیم النار والجنت ہوں۔ میں اللہ کا دل ہوں۔ میں نوح اوّل ہوں۔

(۴) میں ذوالقرنین ہوں۔ میں عالم ما کان و مایکون ہوں میں منشیٔ السحاب ہوں۔ میں مطرّ الانہار ہوں میں قیوم السماء ہوں۔ صـ۱۴۲ و صـ۱۴۳

یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کر لیں۔

نوربخشی سلسلہ اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف "کشمیر زیر نگیں سلاطین" میں صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۵ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد بن عبداللہ تھا جو ۷۹۵ھ ۱۳۹۳ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحٰق خطلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خلیفہ تھے خواجہ اسحٰق نے سید محمد کو، نوربخش کا لقب عطا کیا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نوربخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس لئے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔

کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولغان

(ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا پھر ۱۵۰۲ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نوربخشی عقائد کی تبلیغ کی پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔"

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرامطہ نے تصوّف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں، قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ " جیسا دیس ویسا بھیس"۔ چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کئے اور ہندوؤں میں حضرت علیؓ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے " پیر" کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدرالدین نے گجرات میں اور پیر شمس الدین ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے این ہالسٹر کی تالیف "شیعانِ ہند" سے بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے:۔

" اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا چنانچہ اسمٰعیلی پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کر لیئے۔" ص۲۸

" فتح شاہ کے عہد حکومت میں ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسمٰعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آگئے جن کو فننہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتدا میں آفتاب پرست تھے اور روشنائیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نوربخشی سلسلے میں داخل کر دیا۔ ص۱۴۶"

" نوربخشی سلسلے کے عقائد احوطہ نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا

مرکب ہیں۔ نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیتوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں، اس لیے سنی نہیں ہو سکتے اور نور بخش کو مہدی موعود یقین کرتے ہیں اس لیے شیعہ نہیں ہو سکتے (صـ۱۴۷)

قرامطہ کا یہی طریق کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے، یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزیں کر دیئے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے صـ۳۳۳ پر لکھتا ہے۔

" اسمٰعیلی سیدوں کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین[1] سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسمٰعیلیت کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مرشد تھا۔ پیر[2] شمس الدین جو اسمٰعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا، ۶۹۶ھ میں کشمیر آیا اور تقیہ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے، پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ "گربا" گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو ان سے مانوس ہو گئے اور انھوں نے بہت سے ہندوؤں کو امام الزماں حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا صـ۳۵۲

کشمیر سے پیر شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اسی میل دور ہے روایت ہے کہ یہاں اس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی چنانچہ اس نے پیری مریدی

---

[1] یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا شمس الدین نور بخشی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔ [2] یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے جس کا مزار اُچ میں ہے۔ ۱۲

کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں۔ اس نے ۵۷۶ھ، ۱۲۵۷ء میں وفات پائی۔" (ص۳۵۵)

"پیر صدرالدین اسمٰعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا اس نے ۱۳۴۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علیؓ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی تعریف میں بھجن گایا کرتے تھے اس نے اپنے مریدوں کے لئے دشم اوتار نامی کتاب لکھی، جو آج بھی اسمٰعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے[1]۔ پیر صدرالدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس کے مزار پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جو ترنڈا گورنج میں واقع ہے۔ یہ قصبہ اُچ سے ۵ امیل کے فاصلے پر ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔" (ص۳۵۶، ص۳۵۷)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوّف عالمِ وجود میں آگیا۔ جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث، تجسیم، کفارہ، حلول، الوہیت علیؓ، رجعت، بدا، اتحاد، تناسخ ارواح اور قدامت مادہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بے چارے یہ سمجھے کہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ انّا للہِ ا

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوّف سے مانوس کر دیا۔ دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیئے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر ص۸ میں لکھا ہے کہ

"باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ پھر امام غزالی کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی۔ نیز اس فرقہ باطنیہ نے ایک کتاب

[1] جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید۔

جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی۔ میری زندگی میں میری طرف منسوب کردی
اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی"۔
اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری، عیاری اور معاندانہ سرگرمیوں کا
بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔ اگر استقصار کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی
جاسکتی ہے، مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کرکے مسلمانوں میں شائع کردیں۔
اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل
بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کرکے انہیں قبول کرلیا مثلاً
"بکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جب جنگ احد میں آنحضرت صلعم
زخمی ہوگئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل نے آکر آپ سے کہا کہ "نادِ علیاً"
والی دعا پڑھو یعنی علیؓ کو پکارو۔ جب آپ نے یہ دعا پڑھی تو علیؓ فوراً آپ
کی مدد کے لئے آئے اور کفار کو قتل کرکے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل
ہونے سے بچالیا"۔
(دیکھو درویشوں کا بکتاشی سلسلہ مصنفہ ڈاکٹر برج صـ۱۳۵ مطبوعہ ہارٹفرڈ
(یو ایس اے ۱۹۳۷ء)

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں
پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ علاوہ
ازیں جب جنگ احد میں حضرت علیؓ از اول تا آخر حضورؐ انور کے ساتھ رہے تو انہیں
پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی۔؟
یہی روایت اہلِ سنت کی کتابوں میں راہ پاگئی کیونکہ عقیدت میں غلو، انسان
کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کردیتا ہے۔ چنانچہ سید مظفر علی شاہ صاحب
چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو ۱۸۸۶ء میں صـ۱۴۱
پر لکھتے ہیں:-

"در غزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سید عالم صلعم در میان کشتگان پنہاں شدند جبرئیل ایں کلمات آوردند"

نادِ علیًا مظہر العجائب تجدہ عونًا لکَ فی النوائب کُلّ ھمٍ و غمٍ سَینجلی بنبوّتِکَ یا محمد وبولایتِکَ یا علی یا علی یا علیؒ

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں نے اس روایت کو زیب کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا اور اسی لئے مورخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بکیاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگ احد کے بجائے انہوں نے "غزوۂ تبوک" کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبیؐ یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کرکے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظامِ عقائد مدوّن کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے۔ چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا۔

"وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ" (سورۂ یونس آیت ۱۰۷)

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس مصیبت کو دُور کرنے والا نہیں ہے"۔ قرآن کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی شخص دستگیر یا مشکل کشا یا حاجت روا یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس، گفتگو اور طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ

ؒ (اے محمدؐ) علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین پائے گا تمام پریشانیاں اور غم تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب دُور ہو جائیں گے۔ (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علیؓ کو محمدؐ سے افضل سمجھے تو اس کا کیا قصور ہے۔)

تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں، ان کے دماغوں میں جاگزیں کردی اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرورِ ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزو لاینفک بن گئیں۔ اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ :۔

ا۔ اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول، غوث ہو یا قطب، کوئی قدرت نہیں ہے۔

ب۔ غیر اللہ سے استمداد درکنار، اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لئے مضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ اسی کو تَبَتُّل کہتے ہیں۔

ج۔ ماشآء اللہ لاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ ۔ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سرآمد موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی اپنی تصنیف فتوح الغیب میں مقالہ سوم میں فرماتے ہیں۔

لَافَاعِلَ فِی الحقیقۃِ اِلَّا اللہ

یعنی درحقیقت اللہ تعالےٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔

سارا قرآن از اوّل تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو صرف دو تین آیتیں درج کرتا ہوں ۔

وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکار کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہو یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان (سورۂ یونس آیت ۱۰۶)

وَلَاتَدْعُ مَعَ اللہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۘ لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَ ج

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار (کیونکہ) اللہ کے سوا (اس

کائنات میں) دوسرا الٰہ (نافع یاضار) موجود ہی نہیں ہے (۲۸۔ ۸۸)

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ

پس اللہ کے ساتھ کسی دوسرے اللہ کو مت پکار، اگر ایسا کرے گا تو بلاشبہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۲۶۔ ۲۱۳)

قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا اسی لئے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبداللہ ابن سباء نے حضرت علیؓ کو خدا بنایا۔ اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمار تلخ سے ہم چودھویں صدی میں "مستفید" ہو رہے ہیں۔

اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ ابن سباء اور اس کے جانشینوں القداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں قرامطہ کے یہاں اسماعیل اور علی خدا کا اوتار ہیں وہ بوقت مصیبت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت مصیبت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے۔ یہاں بھی، انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علیؓ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بجائے انہیں پکارتے ہیں اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے "وہابی" کہتے ہیں۔

قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا، عمل صالح اور جد و جہد سے بیگانہ بنایا، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے "نادِ علیاً" سے دنیا جہان کی تاثیر منسوب کر دی میں اپنے دل پر جبر کر کے بلکہ پتھر کی سل رکھ کر جواہر غیبی سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں،

"خواص ایں کلمات بسیار است"

۱۔ اگر مسحور ہفت بار بر آب چاہ بخواند و ازاں غسل کند، سحر باطل شود۔

۲۔ اگر اول ساعت جمعہ چہل و ہشت بار بخواند با ہر کہ سخن راند، محب او شود۔

۳۔ اگر از دشمن خوف باشد ہر روز ہفتاد بار بخواند، دشمن مقہور شود۔

۴۔ برائے اخلاصِ محبوس ہر روز شصت بار بخواند۔

۵۔ برائے حصولِ دولت ہر بامداد صد بار بخواند۔

۶۔ برائے رویت آنحضرت صلعم ہر شب سہ ہزار بار بخواند۔

۷۔ برائے کشفِ کنوز و اسرارِ غیب چہل روز، ہر روز شصت و ہفت بار خواند۔

۸۔ برائے تحصیلِ علوم ہر روز ہفتاد بار خواند۔

۹۔ برائے بغض و عداوت میانِ دو شخص بست بار بخواند۔

۱۰۔ برائے تحصیل مرادات ہر روز بست و چہار بار بخواند ص۱۴۱ و ص۱۴۲

بخوف طوالت صرف انہی خواص پہ اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب میں اسی قدر خواص اور بھی مرقوم ہیں ان خواص پر تنقید کے بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے تصوّف نے مسلمانوں کو قوت عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں یہ تاثیر کہاں سے ثابت ہے کیونکہ اس قسم کے اسرار و رموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں۔ اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علیؓ کا مرتبہ سرکارِ دوعالم صلعم سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضور انور صلعم کی جانب سے ہٹ کر حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہو جائے نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہ سے۔

یہ ایک روایت ہے اُن صدہا روایات لایعنی میں سے جنھوں نے مسلمانوں کے عقائد میں شرک کی آمیزش کر دی اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوّف کا لبادہ اوڑھ کر انجام دیا۔ عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے ان کو اپنے ظاہری تقدس سے مسحور کرتے تھے۔ پھر ان کے عقائد کو غیر اسلامی تصوّف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر اُن کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

اگر تصوّف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیّت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو ایسے تصوّف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا۔

قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ، مثنوی مولانا روم احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیئے بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دیں مثلاً ایک دیوان حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں۔ مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے منسوب کر دی۔

شاہ است حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ — دین است حسینؓ دیں پناہ ہست حسینؓ
سر داد نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کر دیں جس کا نام دیوان شمس تبریز ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

شاہے کہ ولی بود و وصی بود علی بود — سلطانِ سخا و کرم و جود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن — ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علی بود
گویند ملک ساجد و مسجود بُد آدم — از من بشنو ساجد و مسجود علی بود
ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب و ہم ادریس — ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علی بود
جبریل کہ آمد ز برِ خالقِ بیچوں — در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود
ایں کفر نباشد سخن کفر نہ این است — تا ہست علی باشد و تا بود علی بود

مرشد رومی ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بقوائے نص قرآنی "ہو الاول والاخر والظاہر والباطن" اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ کام وہی

حاشیہ صفحہ ۳۸ ۔ اکبر الہ آبادی کا شعر ہے :۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر — گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس میں تصرف کر دیا ہے ۱۲

شخص کرسکتا ہے جو حضرت علیؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبداللہ ابن سبا کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیتِ علیؓ کا عقیدہ ہے لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں۔ چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں۔

اول و آخر توئی ظاہر و باطن توئی — مفخر عالم توئی شاہ سلام علیک

با حیدرِ خود حیدرم بیروں زحیدر کافرم — حق را بحقِ من عرف از شاہ مرداں یافتم

اے رہنمائے مومناں، اللہ مولانا علیؓ — اے عیب پوش و غیب داں اللہ مولانا علیؓ

قاضی و شیخ و محتسب ضارو بدل بغض علیؓ — ہر سہ شدہ ہمراہ دیں بری اللہ مولانا علیؓ

مرشد رومی یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ عیب پوش اور غیب دان یہ اللہ کی صفات ہیں نہ کہ حضرت علیؓ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے (دیکھو مقدمہ صـ دیوان شمس تبریز مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ھ شمسی)

خواجہ اجمیریؒ یا مرشد رومیؒ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حقیقت ہے! قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعوماتِ باطلہ احادیث نبوی کے لباس میں، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے۔ منجملہ ان کی یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے۔ انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ وعلیؓ بابھا

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی و مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب ۵ میں صـ ۹، ۱ و صـ ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کا ذکر کرنیوالے اس کی تصحیح فرماتے ہیں"
ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے نہیں پہچانتے۔
سوائے شریک کے علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے ہیں۔ کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ طاہر پٹنی نے بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے ... امام العصر مولانا انور شاہ صاحبؒ بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے (حاشیہ از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام) (ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول۔ اردو بک اسٹال لاہور)

صوفیہ کے اشعار میں تدلیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب "سلسلۃ الذہب" پر چند اعتراضات کئے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علیؓ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سُنی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔

اس داستان کی تفصیل کے لئے دیکھو حیات جامی مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت مطبوعہ طہران ص۳۰۸۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسمٰعیلیہ قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں، حضرت علیؓ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیتِ علی پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء احدے حضرت علیؓ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ کی منقبت میں زور قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علیؓ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں

آسکتی تھی۔ فرض کیجئے مولانا جامی نے اکیس شعر کی ایک نظم حضرت علیؓ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علیؓ کو خدا بنا دیا گیا ہو اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے۔ (اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے۔؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کئے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے شریعت کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے جی چاہے نہ کرے۔"

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوّف نے پوری کر دی کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوّف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا اس لئے انہوں نے اس "نکتۂ معرفت" کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا تاکہ کوئی شخص ان پر عدم پابندیٔ شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ بریں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نماز پنجگانہ تو عوام کے لئے ہے یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں ان دونوں جماعتوں کے افراد، پابندیٔ شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیر شریعت کو اپنے لئے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنا لیا، کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آ سکتے تھے اور جد و جہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی

تھی یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترک دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجے کی ضیافت کا انتظام کرلیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے بخوف طوالت تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کردی انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا، جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے ان کو یہ نکتہ عجیبہ جسے ابلیسی فہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ سمجھایا کہ

۱۔ تصوّف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

۲۔ اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳۔ اس لئے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

۴۔ جب لوگ تمہیں بُرا سمجھیں گے گالیاں دیں گے، دین اسلام سے خارج کردیں گے تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے، تو یقیناً نفس امارہ، نفس مطمئنہ میں تبدیل ہوجائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پہ گراں ہے اس لئے یہ ملامتی طریقہ "بہت جلد مقبول ہوگیا اور آج بھی ہند و پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو

۱۔ علانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور "پیر" ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ اتباع شریعت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہوجاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں۔

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"

یعنی اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا

ہو چکا ہے۔ اس لئے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ افضل الرسل خیرالبشر سرکارِ دوعالم آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

۲۔ جو درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لئے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصودِ اسلام ہے۔

یہ "بے شرع" اور "خلاف شرع" صوفی جو در اصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے۔ یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں رہتا تھا ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشقِ الٰہی کا درس دیتا تھا۔ دوسری طرف ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تامّل خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلّی میں بھی تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے"۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں کہ بلاشبہ

۱۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوّف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوّف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پورنے نفحات الانس کے عنوان میں لکھا ہے۔

"زیرا اصولِ طریقتِ تصوّف در بسیارے موارد با قوانین دینِ مبین اسلام معارض است"۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوّف، اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے۔ اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوّف انسان پرستی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

۲- اس غیر اسلامی تصوّف کا بیج قرامطہ نے بویا انہوں نے اپنے مقاصدِ مشئومہ اور عقائد مذمومہ کی تبلیغ کے لیے تصوّف کو آلۂ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطورِ تائیدِ مزید، مقدمہ شرح گلشن راز نوشتۂ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

"صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقِ ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصدِ پلید کی اشاعت کے لئے، اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے اور چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے) اس لئے فرق مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف "الضوء اللامع" میں دربارۂ فضل اللہ استرآبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقہ حروفیہ کا بانی بھی تھا) لکھتا ہے،

"وے بلباسِ درویشاں درآمد خود را اناں طائفہ معرّفی کرد"۔ وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحتِ محرّمات و ترک مفترضات کا حکم دیا۔ (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع جلد ۶ صفحہ ۱۷۴)"

پروفیسر ای جے ڈبلو گب اپنی تاریخ شعر ترکان عثمانی صفحہ ۳۴۳ پر لکھتا ہے۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃِ مذہب بدع و ضلال

نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عوام کے حسنِ ظن کو مدِنظر رکھ کر، باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے۔"

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی، صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے تھے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسمٰعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اس طرح عقیدۂ شخصی، عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا چنانچہ متاخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مرد عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے اس لئے ملّا ہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام "تناسخ مجازی" رکھ کر شیخ مذکور کی برأت کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً "تناسخ ارواح" کا عقیدہ ہے جو کفر ہے

(ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی مطبوعہ چاپ خانہ حیدری از انتشارات کتابخانۂ محمودی طہران ۱۳۳۷ھ شمسی صفحہ ۳۵ و ۳۹)

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد میں علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسمٰعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیتِ ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسمٰعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ بہر حال اسمٰعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات و عقائد آپس میں مدغم ہو گئے چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی "قطب" کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سید العارفین یا تمام عُرفاء کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کرلیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک خدا اُس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام، اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسمٰعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا۔)

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف "کتاب الاشارات" میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ صداقتِ عظمیٰ (حقانیت کبریٰ) اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔"

(تفصیل کے لئے دیکھو "کتاب الاشارات والتنبیہات" النمط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہو سکتا ہے نہ دلائل نقلیہ سے یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریۂ امامت سے مطابقت رکھتا ہے۔ جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائیداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلاشبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباءکا وجود تسلیم کرتے ہیں۔اسی طرح صوفیہ، قطب کے بعد اولیاءکا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لئے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی، کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے۔ان میں حضرت علیؓ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے متمیز نہیں تھا۔حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیزگاری زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔بلاشبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہؓ کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے۔''

(مقتبس از مقدمہ ابن خلدون باب ششم فصل شانزدہم انگریزی ترجمہ جلد سوم صد ۹۲ تا ۹۳ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لئے میں تصوّف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انہوں نے کتب تصوّف میں کی ہیں۔اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشاندہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں:۔

نے علی ابن طالب کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے "ہر چہار یار" کی مدح کی ہے۔ اور دونوں گروہوں کے تعصب کا ردّ کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چاریار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدحِ خلفا کو حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرار نامہ میں مرقوم ہے

سپہر صدق را خورشید انور ‏ ‏ ‏ امیر المومنین صدیق اکبرؓ
شریعت را نخستین قرۃ العین ‏ ‏ ‏ رفیقِ مصطفےٰ وثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے۔

سوار دیں پسر عمّ پیمبر ‏ ‏ ‏ شجاع شرع وصاحب حوضِ کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:۔

خصوص آں وارثِ دین پیمبر ‏ ‏ ‏ چراغ شرع وصاحب حوضِ کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں۔

تا نبی صدّیق را محرم گرفت ‏ ‏ ‏ صبح صادق جملۂ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بر روئے خاک ‏ ‏ ‏ ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۲۲ اشعار ہیں۔ مدح عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں، لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں طہران سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطار سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے۔ (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنّفہ ہیں:۔

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح

القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی لیکن اس کتاب کے مصنّف نے اکثر مقامات پر "اظہار تشیع" کیا ہے اس لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے۔ اس کا نام سی فصل ہے۔ "گوینده ٔ این کتاب ہم شیعہ بوده" اس کتاب کے اس شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنّف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

بجوہر ذات گفتم این معانی　　　　تو می باید کہ این معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں۔

شیعۂ پاک است عطار اے پسر　　　　جنس این شیعہ بجان خود بخر

ما ز فاروق[1] التجا بر کندہ ایم　　　　پے ز نورین[2] شما ببریده ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے۔

"در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بوده است جعال، در قرن نہم، کہ خود را فرید الدین عطار می خواند و در مشہد می زیست و چندیں کتب سست و بے مغز مانند اشتر نامہ، بلبل نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، خیاط نامہ، کنز الاسرار، لسان الغیب، مظہر العجائب۔ ساختہ کہ ہیچ وجہ از فرید الدین عطار نیشاپوری، نیست، ص۱۶۶"

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گذرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ بات بھی واضح ہو جائیگی کہ یہ شعر حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:۔

---

[1] یعنی حضرت فاروق اعظم رضؓ　　　　[2] یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ

دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں :۔

(۱) حدیقۃ الحقیقۃ۔ مصنفہ حکیم سنائیؒ غزنوی | فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گذری ہے اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمہ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں :۔

"سنائیؒ پہلا شاعر ہے جس نے تصوّف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا (ص ـ کج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں، دوستئ آل علیؓ میں غلو کے علاوہ آل ابو سفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لئے علما نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتاب گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطانؒ غزنوی نے اسے قید کر دیا۔ (ص ل) زمانہ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں "تحریفات و تصرفات فراواں" ہو چکی ہے (ص ب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص لب) اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے جن میں موافقت ہو اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳ سے آگے) سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں۔ (لغو یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں، جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے نظر سے گذری ہے۔ لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں"

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنان اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے (صہ لط) قلمی نسخہ موسومہ ی میں مناقب امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب واولادہ الحسنؓ والحسینؓ کا اضافہ کیا گیا ہے (صہ ۵) قلمی نسخہ موسومہ م " اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل حرب جمل" موجود نہیں ہے۔" صہ ۲۵۵

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشاندہی کی ہے جنہیں بخوف طوالت نظرانداز کیا جارہا ہے۔ ایضاح مقصد کے لئے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علیؓ اولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائیؒ کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک باعث تقبیح اور موجب لومۃ لائم بنادیا۔ یعنی ایک تیر سے تین شکار کیئے۔ اس تدسیس وتحریف وحذف و اضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا، اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"چونکہ ہندوستان میں" دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد" اس لیئے نواب محمد عزیز کوکلتاش الملقب بخان اعظم نے ۱۰۰۰ء میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔" (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر وقیمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مشہور معاندِ اسلام پروفیسر آر، اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادہ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرفِ آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی

گفت بد کردہ ام اماٖم دہ | در تزحم کنوں زمانم دہ
خواند حیدرؓ برادرش را زود | جملہ احوال ہا ورا بنمود !
رفت وقتے محمّدِ بوبکرؓ | آں ہمہ صدق وفارغ ازہمہ مکر
پس برآمیخت تیغ تا بزند | گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عفوکن تا بسوئے خانہ رود | بعدازیں کارہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد | در تواضع محل او نہ نہاد
باہزاراں خجالت وتشویر | رفت زی مکہ جفتِ گرم وزحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی | شد شہید وبکشتش آں طاغی
آنکہ با جُفت مُصطفےٰ زنیاں | بدکند، مروسا بمرد مخواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد | قصدِ جان امیر حیدر کرد
پسر ہند اگر بدو بد کرد | آں بدی داں کہ جملہ باخود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کیے ہیں۔ انتہائی مجبوری میں کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ پیروان عبداللہ ابن سبا نے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تاکہ ہر آنے اور جانے والا اُسے پامال کرتا ہے۔ تصوّف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرورِ ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سُنّی مسلمان، اس کو سنگسار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعار آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام

ی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے اگر یہ اشعار سنائیؔ ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی ور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ بت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمنِ دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر یئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائیؔ کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں لئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائیؔ کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے ے لئے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں امیاب ہو گئے اور چونکہ ان اشعار کو متنِ کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان ہیں ہے۔ اس لیے آبِ زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبد اللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے :۔

"پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا بآں ناطق است ثابت و محقق شد کہ ایں داستان و ما یتعلق بہا دریں کتاب الحاقی است۔ وازِ حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب" (حاشیہ بر صفحہ ۲۸)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے ناآشنا ہے یعنی جاہل ہے، ان اشعار سے عیاں ہے۔

(۱) ؏ در جمل چوں معاویہؓ بگریخت۔ تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ؏ پس بر آہیخت تیغ تا بزند۔ کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا

(۳) ؏ شد شہید و بکشتش آں طاغی۔ کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ام المومنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی شان اقدس میں جو ژاژخائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دینِ اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا

سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہ بفحوائے کلام اللہ، سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو در کنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں ان کا جی چاہے سنائی کو دائرہ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کرکے الحاقی قرار دیں۔ میں بذات خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

فوائد الفواد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء

(۲) منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صد ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

"کہ ۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کرکے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرکے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سُنّی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابو حنیفہ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا"

جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ء کو جمعے کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کرکے تہ تیغ کر دیا۔

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے۔ اس لئے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قرمطی داعی تھا لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی، یہ لکھا ہے:

"اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے مگر فوائد الفواد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ "از آب آسماں پاکیزہ تر بود۔"

فوائد الفواد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں

آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا کیونکہ کسی صوفی میں یہ اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظاتِ شیخ میں اضافہ کر کے، اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ حقیقت یہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوظات ہی ہیں انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے اس لیے ثابت ہوا کہ وہ آبِ آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔لہٰذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے۔کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اول تا آخر لائق اعتماد ہیں، ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پہ اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقعہ پہ درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخؒ نے اپنے مرشد شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحت القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا اس کے صہ۸۵ پر یہ "ملفوظ" درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش و حواس ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

"ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باجمیع صحابہ کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گذرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا سبحان اللہ، ایک دوزخی ایک بہشتی / جنتی کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا، یا رسولؐ اللہ، یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجا است؟ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی یہ یزید بدبخت ہے۔ جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔ یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہوتے کہ اے علی الیامت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے

اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا نہیں، پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟ .... (لفظ پڑھا نہ جاسکا) پھر پوچھا میں زندہ ہوں گا؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہؓ ہوں گی؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا میرے اُمتی اس کے بعد علیؓ اور رسولِ خدا صلعم دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا کہ اے غریبو، ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔" (انتہیٰ بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے؟ سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ اولیاء۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت فریدالدین گنج شکر سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افترا اور بہتان ہے کیونکہ:۔

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بلا شک و شبہ ۱۱ھ میں ہوگئی تھی۔

ب۔ امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس شخص کو دوزخی یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ "پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا مغفور ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپؐ نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی۔ اس لئے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنیئے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لئے باشتیاق تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور صلعم نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسین نے بھی اسی شخص کی اقتدا میں نمازیں پڑھی تھیں جسے مسلمان کہلانے والے "دوزخی" سمجھتے

ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضورؐ مغفور قرار دیں آپ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگانِ دین سے منسوب ہیں وہ کلیتہً قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

جامی پر دست درازی

(۳) سنائیؒ عطارؒ، اور رومی کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے[۱] جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے۔ جامیؔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں۔ یہ سلسلہ افضل الصحابہ، بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء، وارثِ کمالات نبوت، متمکن ذروۂ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفۂ رسولؐ بلافصل، امیر المومنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامیؔ نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجۂ احرار ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہلِ سنت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفائے اربعہؓ کی مدح کی ہے مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنجِ غار — کہ چوں مار شد ناوک جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدل اوست — کزیں گونہ دنیا و دیں سرخ روست
سوم شرمِ گیتی کہ شد بے قصور — ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر دریا نثار — عَلَمِ او کرم برقِ او ذوالفقار

مثنوی خرد نامۂ اسکندری

وز میان ہمہ نبود حقیق — بخلافت کسے بہ از صدیقؓ

---

[۱] دردہائے بستہ را کشاید ۔۔ دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (اقبال)

وزیرِ او بود ازاں احرار — کس چو فاروقؓ لائقِ ایں کار
بعد فاروقؓ جز بذی النورینؓ — کارِ ملت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا — اسد اللہ خاتم الخلفا
لعن کز رافضی شود واقع — شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانۂ دیں — واں چار چراغِ بزم تمکین
ہر یک بخلافت سزاوار — ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست — بیگانگی از فضول ماخاست

(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیّع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:۔

ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں۔ ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان اور قلم سے اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کرتے تھے۔

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علیؑ بن عبدالعال ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

" میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لئے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آنکلا۔ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہوگئی اور سربسجود ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟ میں نے کہا اس کا سبب آشکار تھا

کیونکہ علی خلیفہ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے۔"

یہ سن کر جامی نے کہا "علی خلیفہ چہارم نہیں ہیں بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں اور چونکہ ہمارے درمیان مودّت پیدا ہو چکی ہے اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعان خلص امامیہ میں سے ہوں لیکن تقیہ کرنا واجب ہے۔"

نیز بعضے از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل وعشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے۔"

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ "جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابوطالب کو کافر قرار دیا ہے"

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سنی تھے مگر آخر عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔

مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھا ہے کہ "یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ خردنامہ اسکندری" آخر عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے" یہی مقدمہ نگار ص۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ "چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے۔"

خلاصۂ کلام ایں کہ جامی کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

(۱) بعض انہیں سُنّی کہتے ہیں اور سُنّی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا فیصلہ یہ ہے کہ شروع میں سُنّی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے:

بود بوطالب آں تہی زطلب | مرنبیؐ را عمؐ و علیؓ راب
خویش و نزدیک بود با ایشاں | نسبت دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سودے نداشت آں نسبش | شد مقرر در سقرچو بولہبش ؛

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار "شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت" صد۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیات جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (صفحہ ۸۰ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اس طرح انہیں ان کے (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائیگا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنی بزرگوں کے مزارات کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور وہ اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سنی تھا، لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار

کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تاکہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

(۴) رومیؒ کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں سبائیہ اور قرامطہ نے تدلیس نہیں کی لیکن ان کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومیؒ ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں ص۹۹ پر یہ روایت رومیؒ سے منسوب ہے پڑھیے اور سر دھنیے۔

"نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ بانگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے"۔ یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔" لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا وہ اپنے گھر چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔"

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

ا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعلِ شنیع کو گوارا کر لیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت

کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے۔!

(ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے یعنی رسولؐ اللہ مومنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زناکار تھیں۔

(د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

(ہ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سرو پا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے کیونکہ نہ تو انھوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انھوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی

غور کیا اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آرہی ہے کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کور کا جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

شیخ محی الدین ابن عربی پر ظلم

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں انھوں نے تین وصل قائم کیے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو گا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انھوں

نے سرِ مو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پہ اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف الیواقیت والجواہر صٹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پہ لکھتے ہیں :-

"حضرت شیخ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لمحے کیلئے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔

ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں۔ اور دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں" ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبل ؒ اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے"

اس کے بعد لکھتے ہیں" اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے :-

"کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔"

"پھر لکھتے ہیں کہ زنادقہ نے امام احمد بن حنبل ؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے، پوشیدہ طور پہ (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دی تھی اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔"

بعض دوسری مثالیں

(۶) سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ، اپنی تصانیف نظم و نثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کرکے، اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محلّ نظر بنا دیا۔ بخوفِ طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں۔ پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں لیکن ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسمٰعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمٰعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وینانف (IVANOW) نے مرتب کیا ہے پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے۔

"اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوّف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوّف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوّف کو آلہ کار بنایا یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔

طوطی ام شہ مرا بود مرأت — شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلہ ما — خواجہ عبداللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار، احمد ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے جنھوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنا لیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے کہ

"اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوّف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انھوں نے ادبیات تصوّف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔"

یعنی باطنیہ نے سنی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنّت کو ورطۂ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوّف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوء ادب سمجھا اس لیئے قرامطہ کے عقائد کو من وعن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے چنانچہ ابو نصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:۔

"بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہوجاتی ہیں تو وہ صفات ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔"

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے۔ ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور یوپی سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھیئے اور دشمنان اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے۔

ص۲۴۱ پر لکھتا ہے کہ ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعہ کشف ان کا یہ خیال معلوم ہوگیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذبات شہوانی کا یہ عالم تھا کہ

کر اخاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستّر بار جماع کیا۔ پھر فرمایا "مردان خدا ہر شئے پر قادر ہیں"۔ ترک یا قلّت مباشرت کا باعث استغراق ہے"۔

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجئے مبادا شق ہو جائے۔

"پھر فرمایا کہ آنحضرتؐ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقت شب آپ نے ان سے نوّے بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا "ہم نے خود لذات دنیا کو ترک کر دیا ہے ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے"۔

ص ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے "مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت صلعم نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیّت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جاکر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نَے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نَے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت صلعم نے اس نَے کی آواز سنی تو اُسے بلایا اور سُن کر فرمایا "اس نَے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاج تنقید نہیں ہیں ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں ص ۴۹۵ پر یہ روایت درج ہے:

"بضمن ظاہر و باطن عارف۔ علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ

نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا)
وہ تختہ محفوظ رہا چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھاتے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب"۔

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوّف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرورِ ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنّت کے عقائد بن گئے چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعدالدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے عقائد النسفی، علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے "صحابہؓ کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہیئے" علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"بہر کیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ[1] میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر

[1] اس سے غالباً "کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے

ہوگیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا۔ یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا"۔

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:۔

حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضا مندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین، یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں۔ اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامّل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔

میری رائے میں یہ فقرہ جو "حقیقت یہ ہے" سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ جلد سوم مطبوعہ ۱۳۵۶ھ، ص ۲۹۹، ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

ا۔ یزید نے (حسینؓ کے سر کو دیکھ کر کہا) خدا کی قسم اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

ب۔ کوئی عورت آل یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔

ج۔ یزید نے حکم دیا کہ علی ابن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی ابن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

د۔ یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا۔ خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرز عمل اس قرابت کی بنا پر کرتا جو اسے رسول اللہؐ سے حاصل تھی۔

ھ ۔ اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پہ
و ۔ اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

ز ۔ بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا "اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اُسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آجاتا لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا اے بیٹے جب تجھے کوئی حاجت در پیش ہو تو مجھے لکھنا۔

ح ۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا "اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے"؟ زینب نے کہا "ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟ پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملجین اتارے اور اس کے پاس بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حُسنِ سلوک رسول اللہ سے تمہاری قرابت کی بنا پر کیا ہے۔"

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا تھا یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا یا جشن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی ہی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے تاریخ طبری مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ مصنفہ ابن

کثیر متوفی ۷۹۱ھ ضرور پڑھی ہوگی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔ یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

۲۔ یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ، اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نفسی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسین کے نام کے آگے رضؓ لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے مگر اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر ؑ بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے رضؓ بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں ؑ کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسین کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہٖ موجود ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں:۔

سیرۃ النبی کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینے میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسولؐ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا

جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آجکل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے ابن اسحٰق غزوۂ خیبر کے سلسلے میں لکھتا ہے:۔

"عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مرحب

یہودی مسلح ہو کر قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا "خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں الخ"
رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ اس کے جواب میں کعب ابن مالک نے یہ رجز پڑھا "خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں الخ"

رجز خوانی کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا "اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا؟"
محمد ابن مسلمہؓ نے جواب دیا "مرحب کا مقابلہ میں کروں گا کیونکہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائی کو قتل کیا تھا"۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے انہیں مرحب کے مقابلے میں جانے کی اجازت دی اور ان کی فتحیابی کے لئے دعا کی۔ جب مرحب اور ابن مسلمہؓ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک درخت درمیان میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہ نے ڈھال پر روکا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوت مبارزت دی تو حضرت زبیر بن العوام مقابلے پر نکلے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ نے آنحضرت سے پوچھا "کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟" آپ نے جواب دیا "نہیں، بلکہ تمہارا بیٹا انشاءاللہ اپنے دشمن کو قتل کرے گا۔" حضرت زبیر یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے "خیبر جانتا ہے کہ میں زبار ہوں اور ان لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرّار ہیں الخ" چنانچہ زبیر نے یاسر کو قتل کر دیا۔

بُریدہ بن سفیان بن فردہ نے مجھ سے (ابن اسحٰق) کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکرؓ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کئے بغیر واپس آ گئے۔ دوسرے دن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا وہ بھاگنے والا نہیں ہے" چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوب چشم

میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہوگئیں) اور جھنڈا دیکر فرمایا "اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰؑ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہوگے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔"

(۸) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابو رافع (آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ "جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اس لئے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک دروازہ (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا جب فتح حاصل ہوگئی ——— تو اُسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے۔" (مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق موسومہ سیرت رسول اللہؐ صفحات ۵۱۴ تا ۵۱۶ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اوّلین تصنیف ہے اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے۔ اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ محض اس لئے کہ حضرت ابان داماد رسولؐ خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان شہید فی سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہرحال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں

۱۔ مرحب کو حضرت علی نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

۲۔ حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳۔ عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا نہ اصول روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصول درایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہیئے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

۴۔ مرحب سے حضرت علی کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا۔ ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا اس افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں۔ یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رد سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کیلئے میں البدایہ والنہایہ مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفیٰ ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱۔ حافظ البزار نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے۔ اس کے بیان میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

۲۔ روایت کی موسیٰ ابن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے اور یہی کہا ہے محمد ابن اسحٰق نے بروایت جابر ابن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا "قد علمت خیبر انی مرحب" تو آں حضرتؐ نے کہا "اس کا مقابلہ کون کرے گا" محمد ابن مسلمہ نے کہا "میں کروں گا" فضربہ محمد ابن مسلمہ حتیٰ قتلہ پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اُس کو (یعنی مرحب کو) صہ۱۸۹ ج ۴

۳۔ کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہؐ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ نے اپنا جھنڈا دے کر جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا ...
میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جا سکا۔"

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے۔ وَفِی هٰذَا الخبر جهالةٌ وانقطاعٌ ظاهرٌ یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔

۴۔ حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتبار) ہے۔

۵۔ جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (ناقابل اعتماد) ہے (صہ۱۹۰ ج ۴)

۲- الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا"
(صہ ۱۸۹ ج ۴)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد چہارم صفحات ۱۸۰ تا ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء۔

بوجہ طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں۔ خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین، مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے سراسر لغو ہیں۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اوّل صہ ۴۸۸)

چونکہ میں تصوّف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تدسیسِ سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ اس لئے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدّث تھے نہ مورخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقید۔ یہ سب باتیں سوءِ ادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ "ہم ہر بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے اگر کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف ہوگی۔ فھو مردود"

لہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے تبرک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو، لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سُنّی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبیح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوءِ ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دستبردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہوگیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ بہرکیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن و حدیث کے الفاظ کے بھی دو دو معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے۔ جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں۔ حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو اُن کی گردنوں میں پڑے

بنے تھے (ص ۱۵۷)

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا یعنی انھوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انھوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قیدِ شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین حاصل نہ ہو۔ جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباعِ شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اس وقت تک تھا نہ اب ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا، تصوف کے اسرار و رموز بیان کر رہا ہے۔ باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لئے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے "بزرگوں" کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرارِ طریقت سمجھتے ہیں، یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالتِ محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی۔ یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

اقتباس از ولایت نامہ تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنا بادی، سلطان علی شاہ چاپ دوم۔ چاپخانہ دانش گاہ تہران ۱۳۸۵ قمری ص۳۵

" قبول رسالت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ ظاہری، و قبول ولایت بیعت کردن است بر قبول احکام باطنی۔ اول را اسلام و ثانی را ایمان می گویند و چوں قبولِ رسالت بجہتِ وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ (۴۹-۱۷) و فرمود اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۵-۶۷) یعنی رسالت تو مقدمہ ولایت علی علیہ السلام است اگر تبلیغ ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علی نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش با عدم مساوی است و بملاحظہ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْلَا عَلِيٌّ لَمَا خَلَقْتُكَ (انتھی بلفظہ)

میں نے یہ زحمتِ نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہیں لکھی ہونگی مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہو گئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی اور فارسی نہیں جانتے اس کا مطلب ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

۱۔ مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ۵ یعنی بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے (۴۹-۱۷)

۲۔ قبولِ رسالت کا معنیٰ ہے بیعت کرنا۔ احکامِ ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳۔ قبولِ ولایت کا معنیٰ ہے بیعت کرنا۔ احکامِ باطنی کے قبول کرنے پر

(یعنی رسالت کا تعلق احکامِ ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکامِ باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکامِ ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہو گئی اور امت میں تفرقہ

رونما ہوگیا۔

۴۔ رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے۔ ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

۵۔ اے رسول اگر تونے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تونے پیغام اُس (اللہ) کا (۵ ۔ ۶۷)
اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تیری رسالت، مقدمہ ہے۔ ولایت علی کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶۔ رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو یارائے تبصرہ ہے نہ حوصلۂ تنقید صرف دو تین باتوں پہ اکتفا کرنا ہے۔

ا۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ ایمان، بہرحال افضل ہے اسلام سے۔

ب۔ جب تک ایک شخص ولایتِ علیؓ پر ایمان نہ لائے، مومن نہیں ہو سکتا۔

ج۔ رسالتِ محمدی کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایتِ علی کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے

د۔ رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصول مقصد کا اور وہ مقصد ہے "گرفتن بیعت ولایت علی" اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد، واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے اس لئے ولایت افضل ہے، رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے بالفاظ واضح تر حضرت علیؓ افضل ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

ہ۔ قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیان عالم پر غالب کردے۔ کما قال اللہ عزوجل ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ

بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اللہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب دینوں پر۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت علیؑ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہیں کریگا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ کا ترجمہ تو یہ ہوگا کہ "اے رسول پہنچا دے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ پہنچایا پیغام اس کا" اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؓ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے[1] نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علی کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتنِ ولایتِ علیؓ کیسے ہو سکتا ہے مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کا مصداق تو قرآن ہے کیونکہ وہی آنحضرت پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا

[1] اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ ابن سبا، اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا۔ اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابو لہب - ۲- زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ کو یار غارؓ کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کئے گئے مگر ایک لفظ ابو بکرؓ نہ فرمایا لیکن یہ چھ الفاظ ہیں ایسے کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابو بکرؓ ہی مراد ہیں ثانی کی تاثیر دیکھئے کہ صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:۔

ہمت او کشت ملت را چو ابر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

کہ قرآن لوگوں کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنیٰ ہیں۔ لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کئے ہیں جو صرف "اہل اسرار" پر منکشف ہوتے ہیں۔ صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنی نکالنے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف، نحو، معانی، بیان، عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے۔ باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ امت محمدیؐ پر جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے۔

می کنی تاویل حرف بکر را　　خویش را تاویل کن نے ذکر را

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی برہان الواصلین" نے بیان کئے ہیں۔ وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہو گا۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے　　کہ پیغامِ خدا گفتند ما را

ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت　　خدا و جبریل و مصطفےٰ را!

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوّف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوّف اور تشیّع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الابحار نے لکھا ہے۔

"تصوّف طریقہ سرنبوی است و تصوّف و تشیع یک معنی دارد"

(ماخوذ از اصول تصوّف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری صفہ۲)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:۔

"ولایت از آنِ خدا است و بر آں ایں آیت شاہد است هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ط

۱ ۵ ۰ ۵ ۴۴۴ھ از خدا مصطفےٰ در رایں حقیقت جامعیت است، علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر، یک پایۂ ودار لئے یک مایہ اند چنانچہ رسول فرمود (۱) اول ما خلق اللہ نوری (ب) انا و علی من نور واحد۔ شاعرے این حدیث راچنیں نظم کردہ است (اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری صہ ۶۹)

علی و مصطفےٰ ہیچو دو دیدہ ! زیک نور جلیل اند آفریدہ

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں۔ سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلّم اور مقبول ہیں۔ سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علیؓ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں۔ بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگان سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرتؐ نے "مولا علی" کو پکارا تھا

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا۔ والواقع ان الصلۃ بین التشیع والتصوف فعلیًّا ھو معبود الشیعۃ و امام الصوفیہ (التصوف الاسلامی مؤلفہ ڈاکٹر ذکی مبارک جلد دوم صہ ۲۳)

لہ مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلَایۃ اور وَلَایۃ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا۔ تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے "ولایت از آن خدا ست" اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:۔

(۱) آیت میں لفظ وَلَایَۃ ہے نہ کہ وِلَایَۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَایۃ (واؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے۔ نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلَایَۃ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ولایت

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؓ سے ولایت کو منسوب کرکے انہیں رسول سے بھی بڑھادیں گے۔ اس لئے اللہ نے دو جگہ لفظ وَلَایَۃ تو استعمال کیا ہے (دیکھو ۸، ۲۰۰ مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ۔ الخ) مگر لفظ وِلایۃ کہیں استعمال نہیں کیا قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسمِ زوجِ فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے۔ بازآمدم برسرِ مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبّر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کردیا اس نے کہا يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ یعنی حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی، کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کیلئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کے لئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا، پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچہ اطفال بنادیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو "قواعد آل محمد (باطنیہ)" تالیف محمد بن حسن الدیلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ صہ ۱۰، مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے براءۃ زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا۔ نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا، حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے۔ زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔"

(منقول از تاریخ دعوت و عزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صہ ۱۰۸)

باطنیت کے اثرات تصوّف پر

اب ناظرین خود غور کر لیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا، انہیں اسلامی تصوّف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ ان کو تو اہل سُنّت کو گمراہ کرنا تھا چونکہ تصوّف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوّف ہی کو خاص طور سے ہدف تدسیس و تلبیس و تحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلا تحقیق قبول کر لیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلّمہ عقائد سے مختلف ہو گئے بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللہ المستعان)

(۱) عزّ الدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوّف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے "مِصْبَاحُ الْهِدَايَةِ وَمِفْتَاحُ الْكِفَايَةِ" اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ، کتاب خانہ سُنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر، بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے "بنامِ خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان" سے کیا ہے، حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ "خداوند" اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لیے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لئے مقدمہ نگار

نے اس کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے چنانچہ پروفیسر ہمائیؒ اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے :-

ا۔ وہ ہر جگہ آل محمدؐ پر صلوات کو محمدؐ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام صـ۲۰۴ الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا و رزقناہ من غیر حولٍ منا اللھم صل علی محمد واٰلِ محمد (انتھی بلفظہ صـ۲۰۴)

ب۔ آیت نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا صـ۲۲۴

ج۔ ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی صـ۲۰۵

د۔ وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا صـ۴۸ (مقتبس از مقدمہ صـ۴۴، ۴۵)

پروفیسر ہمائیؒ کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی باطن شیعہ ہے تاہم اس نے صـ۴۶ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے تاکہ جو سُنی اسکی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے از راہ تقیہ صـ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ "مومن حقیقی اس بات کو روا نہیں رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت میں مہاجرت کی اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسولؐ کے مبارک قدموں پر نثار کئے صـ۴۶

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابۂ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

"پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ

ا۔ سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

ب۔ اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بنا پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے۔ کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

ج۔ اس مشاجرت کے باب میں جو امیرالمومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لئے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے مَن یَّھدِی اللّٰہُ فَھُوَ المُھتَدِ وَمَن یُّضلِل فَلَن تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرشِدًا اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقاید اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

۱) پہلی صدی ہجری سے تا اینددم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل و اکمل و اتقیٰ ہیں، بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(ا) امام فخرالدین رازی، کتاب الاربعین میں ص۴۶۶ پر لکھتے ہیں مذھب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

(ب) امام نجم الدین النسفی، عقائد النسفی میں لکھتے ہیں" ہمارے نبیؐ کے بعد تمام

انسانوں میں ابو بکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ (انگریزی ترجمہ شرح عقائد ص۱۲۱)

(ج) امام کمال الدین بن الہمام کتاب المسائرہ میں ص۳۱۶ پر لکھتے ہیں "صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علی حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے۔ کہ پہلے ابوبکرؓ پھر عمرؓ نیز ص۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا "ای الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال ابوبکر" یعنی رسول اللہ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوبکرؓ۔

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، خلفائے الاسلام میں ص۵ پر لکھتے ہیں "تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں" نیز ص۱۰ پر لکھتے ہیں "امام ذہبی نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔

بخوف طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ کا مطالعہ کریں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعدا بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔

ولیم میور اپنی تالیف "الخلافۃ" میں لکھتا ہے:

(الف) پیغمبر اسلام کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی، مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لیے وقف کر دی۔ یہی جذبہ فدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتاد طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (صلعم) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا، سب سے ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا۔ ۱۳ھ

(ب) ابوبکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدار اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو۔ میں تو محض خلیفۂ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا یعنی اس معاملے میں نبی نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟

ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبۂ فنائیت کی بدولت انہوں نے فتنۂ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (صلعم) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔

"چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمان راسخ بذات خود محمد (صلعم) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے اس لیے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اگر محمد (صلعم) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحب عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔" ۸۱ھ

میں نے بھی میور کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لیے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار، ارفع، پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست

ہے۔ نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، ان کی تعریف و تحسین پر مجبور ہے بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے انہیں اور رسولؐ اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکار دو عالم صلعم کا سب سے بڑا فدائی، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظ دگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابو بکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود انؓ کے آقا و مولیٰ صلعم کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میؤر سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔ میں نے بدلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے ' سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہلِ سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے، اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علاّم الغیوب تو صرف خدا ہے ہم تو ظاہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) پھر کہتا ہے کہ "اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے" یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(۳) اس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سُنت استعمال نہیں کر سکتے بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کیلئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سُنی نہیں تھا کیونکہ تمام اہل سُنّت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاءؑ کے لئے علیہ السلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔ مگر حضرت معاویہ رضؓ

کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) اس نے صـ۲۷ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً اس لیئے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لیئے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت کے لیئے اسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے۔ اس لیئے یہیں قلم روکتا ہوں ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

الحمد للہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے "تقیہ" اختیار کرکے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سُنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لیئے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلم چلے آرہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لیئے کہ نزاکتِ روایت تابِ تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کیئے دیتا ہوں۔

"چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا "کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟" انہوں نے کہاں ہاں پھر حسین نے پوچھا "کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟" انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر حسین نے کہا میہات قلب واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے اس وقت حسینؓ نے کہا اے باپ اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان

کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟ حضرت علی نے کہا میں
ترک ایمان پر، قتل کو اختیار کروں گا یہ سن کر حسینؓ نے کہا۔ خوش ہو جایئے ماں باپ
کیونکہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔"

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی ہے مگر حاشیے میں
اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ "ماخذ ایں روایت معلوم نیست۔" ص ۴۰۰

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی
روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پروفیسر
صاحب کسی "صاحب اسرار" کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف
ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی
جالندھریؒ کی تصنیف محبّت باری کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے جیسا کہ اس
کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے "عرضِ مترجم" میں لکھا ہے "سب سے پہلے
حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی، پھر خواجہ
محمد اسحٰقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ
متوفی ۱۰۱۲ھ کی خدمت میں گذارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر
بھائی تھے اور غالباً گیارھویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے
زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ص ۱۵

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں انہوں نے اس کتاب
میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں سب کی نشاندہی کی ہے۔
اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہو گئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل
میں درج کرتا ہوں۔ کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:۔

"قصہ مختصر آجکل تصوّف میں منکر" کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ
صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین اہلِ تصوّف کی

کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔

"محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں۔ اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میداں نہیں ہے[۱]۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع[۲] روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک ناآشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب "محبت الٰہی" کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے "ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت" کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے۔ یعنی پڑھنے والوں

---

[۱] مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ شلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلاخوف لومۃ لائم واشگاف لفظوں میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک ۱۹۴۵-۱۹۶۷ء کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلّم ہے۔ مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدّث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

[۲] میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بہت پست ہے۔ یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر رہا ہے اجزاہ اللہ احسن الجزا) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذباتِ ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

"کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۰ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آگئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آگئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہیئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گذر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی۔ جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گذر چکے ہیں۔ میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں۔ جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر امّت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیے۔ ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امّت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی امّت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم

آچکا ہے کہ میں تیری اُمّت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں جب صحابہؓ مایوس ہوگئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں۔ میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی اُمّت پر نثار کرتی ہوں۔ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی جواب دیا جب وہ آپ سے مایوس ہوگئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرت کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپ کی امت کے لئے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔"

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

"اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (ا) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گذاری بلکہ آپ تقریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرت اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرتؐ اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو! اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ انہوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث

میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں. کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی. تو اُن کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ج) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا! رسول اللہ تو تین دن سے رو رہے تھے. آپ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہو گئی جو صرف اُمّت مسلمہ کی سفارش کی اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا. جل جلالہٗ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا. حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی. خود آنحضرت صلعم نے عبد اللہ ابن اُبی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ اگر آپ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا.

(د) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس حدیث "کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا.

(ر) تاریخی لحاظ سے حضور کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے.

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جیسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے.

(مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ صہ ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں

ہے ۔انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے "تعلیمات قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں بیشمار حکایتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں۔ ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کر لیا یا ازراہ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقۂ صوفیاء میں جاری ہو گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوق تحقیق و تنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہو گئی۔ ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پژوہی اور راست بیانی سے چیں بجبیں ہوں اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلا کے غلام اے ساقی

یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہا کے غلام (مقلد) باقی رہ گئے ہیں۔

صرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقۂ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق !

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح

حیات کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس نقل ہے کہ یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقلِ سلیم، جس کی چاہیں تردید کردیں۔ کوئی شخص آپ پہ معترض نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس سے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد اور دلائل پیش کرچکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کرکے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ "عارف باللہ" شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علم درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملّا غلام یحیٰ بہاری اور ملّا حمداللہ سندیلی سے حاصل کیے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوّے فی صد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ اس لیئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحیٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نامور منطقی تھے انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم۔ درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لیئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہوچکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے "مفقود الخبر" ہوچکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزیدِ عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جاکر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی — دلیلِ او، دلیلِ ناتمامی
دروں لہائے بستہ را کشاید — دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمداللہ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموی

دونوں نے سُلّم العلوم کی شرح لکھی اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ حمداللہ آج بھی درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمداللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

باز آمدم بر سر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں "اگر اتفاق نشود نادعلیؓ ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست ایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد صفحہ ۱۴۲"

یہ "عارف باللہ" اپنے بھائی کو "نادعلی" کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ "نادعلی" کیا ہے؟ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا جبریلؑ کا آں حضرت صلعم کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ نادعلیاً مظہر العجائب الخ سراسر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت صلعم کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے چونکہ "عارف باللہ" ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہوگا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ نقل ہے کہ "خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ

تھا جوان کا پیر بھائی تھا یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہوگیا مگر فوراً بحال ہوگیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آگئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ خبردار! اسے عذاب نہ دینا کیونکہ یہ میرا مرید ہے" فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا "تم سچ کہتے ہو لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ۔ اسے خواجہ کے حوالے کردو کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔ یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ پیراں شافع مریدان خود می شوند" ص ۱۷۵

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اعوذ باللہ من ذالک لغرافات اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؓ و فاروق اعظم کا تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اہلِ سنّت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخینؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہرپوری نے ہ مسعود علی قلندرؒ الہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں۔

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند　　　بند رقیت ز پایت برکند

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد　　نامِ خویش و آں علی مولا نہاد (صـ ۱۲۹/۱۱۳ د)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالہ ضلالت کے لئے اہلِ سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے

(۲) ولایت، غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ 'ولایت' کہیں مذکور نہیں

(۳) ولایت علی کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقۂ ضالہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃ افضل عن النبوۃ اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادے مثلاً شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرۃ النبی سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے زحمتِ تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مومن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مومن کا ولی (دوست) ہے ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجا لانے کا یہی وجہ ہے کہ عقیدہ 'ولایت' کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

(۵) ولایت کے لئے "نصب" مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست 'ولایت علی' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت

لینے کے لئے مبعوث کیا تھا۔ اسی لئے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ وِلایت (واؤ کے زیر کے ساتھ) استعمال نہیں فرمایا۔ تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک عن جمیع المومنین

(۶) قارئین کی تسلی خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (۲-۲۵۷)

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے۔

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ وِلایت پر فائز ہوتے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلا واسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومی کہتے ہیں۔

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند　　　　بندِ رقیت ز پایت برکند

چوں بآزادی نبوت ہادی است　　　　مومناں را ز انبیاء آزادی است (دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کر دے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کر دے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس لئے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کرلیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہور کا پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب و نظر میں زیغ پیدا ہوجاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہوجائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پاچکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہوجانے کی وجہ سے شک و شبہ یا تنقید و تحقیق سے بالاتر ہوچکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے، کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہوچکے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہوجائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہوجائے گی جسے شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھ لے۔ واللہ علیٰ ما اقول شہید

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی میں حضرت مصنفؒ نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کیے ہیں وہاں صفحہ ۳ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے: "ذکر پنج فرقی۔ جانب ایمن یا محمد، جانب الیسر یا علی، جانب بالا یا فاطمہ، در پیش یا حسن، در دل یا حسین۔"

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کردیا یہ تو سراسر خلاف ارشاد خداوندی ہے اس لیے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات اقدس سے مختص فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون ط

اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝" (۱۰ - ۱۰۶ و ۱۰۷)

(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار۔ جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو۔ پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:۔

جو غیرِ خدا کو مانتا ہو قادر اکبر بخدا کہ وہ مسلماں ہی نہیں

تصوف تو نام ہی ہے لوح دل سے نقش غیر کو مٹانے کا جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے یہ ذکر وہ فرقہ وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالے نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو دراصل شرک ہے کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذاکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اللہ فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵) سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری سہروردی اور چشتی۔ ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا بانیٔ فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے۔ سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سنی صوفی خواہ وہ چشتی ہو یا قادری۔ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسولؐ تھے۔ وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو غاصب "تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً" یا تقیۃً" زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغاز کتاب میں لکھتا ہے:-

"ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصیؐ نبیؐ۔ الخ

اس کے بعد لکھتا ہے "وعلی ذریتہ الحسن والحسین۔۔ الخ

صفحہ ۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:-

یارب برسالت رسول الثقلین یارب بغزا کنندۂ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیۂ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علی کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علی کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصیّ قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے۔ "معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے[1] کہ مقتدائے زماں امین خاں

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمدؐ کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا پھر دیکھ۔ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟ میں نے کہا عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمدؐ، علیؓ اور عبدالقادرؒ یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں! اور معیت تام رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے ۔ شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنیٰ کو واضح فرمایا ہے:۔

مُصطفٰے را مرتضیٰ دان ، مُرتضےٰ را مُصطفٰے

خاک در چشم دو بینان دغا باید زدن

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تام پر دلالت کرتی ہے۔

(ا) لحمک لحمی و دمک دمی (تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے)

(ب) انا و علیؓ من نور واحد (میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں)

(ج) انا انت و انت انا یا علی۔ (اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے)

(انتہی بالفاظہ صـ ۳۳۸ جلد دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی۔ اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر حضرت قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

ے اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف ہے۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ) اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیّت تامّہ پر استدلال کیا ہے اہل سنّت کی مسلّمہ و متداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں۔؟ یا ان کی سند کیا ہے۔؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدرآباد دکن، گلبرگہ، اورنگ آباد، پیران کلیر، بریلی، بدایوں، دہلی، اجمیر، دیوہ، ردولی، کچھوچھہ، مارہرہ، لاہور، پاک پتن، ملتان، اُچ، جلالپور پیروالا، سیہون، درازہ، حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ و شیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دور غفلت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو "بے راہ روی" سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوت لایموت اور رزق مایحتاج پر قناعت کرکے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصرِ حاضر تصوّف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمدللہ کہ یہ عاصی و کم سواد، قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور در اصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصود حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غائت بھی ہے۔ اس لئے یہ طریق در ہمہ حال، مقید بالکتاب اور مقید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات

(۶) اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات پاک کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے) کہ وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو مرکز محبتِ مومنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل اللہ ہے چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى (۹۲ - ۱۷و۱۸)

اور یقیناً (اس آگ سے وہ (سب سے بڑا پرہیز گار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے۔ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے "اتقیٰ" (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔ اب اس آیت پہ غور کرو۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اسی لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہا اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہؓ اور اس لئے انبیاء کے بعد، افضل الناس ہیں۔ رضی اللہ عنہ،

پیروانِ ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف

حقائق الحق جلد ہفتم صـ۵۲ا میں یہ روایت درج کی ہے :۔

اذ سمعت النداء من قبل اللہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلت احب من یحبہ العزیز الجبار دیا مو بحبنہ ۔فسمعت النداء من قبل اللہ یا محمد احب علیاً فانی احبہ واحب من یحبہ۔ فبکی جبریل وقال لو ان اہل الارض یحبون علیا کما تحبہ اہل السماء ما خلق اللہ النار؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ کے سامنے یہ ندا سُنی گئی کہ اے محمدؐ توکس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین بھی علیؓ سے محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

(ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "حب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ دضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چگونہ مرا حب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ اگرچہ مذہب حنفیہ است براں باشند۔" (تعلیمات قلندریہ صـ۱۲۷)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک

شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؓ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبرؓ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل مانتے ہیں اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؓ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف "تکمیل الایمان شرح" شرح عقائد نسفی میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"والخلفاء الاربعۃ افضل الاصحاب وفضلهم علی ترتیب الخلافۃ"

"چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی پہلے صدیق اکبرؓ، پھر فاروق اعظمؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان ص۶۵)

بازآمدم بر سرِ مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ" (۶۱-۴) بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ موثر ہے

سررشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآں کے اثر کو روک دینے کے لئے — ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مرید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی (اقبالؔ)

(۷) سید محمد گیسو دراز جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں کہ:۔

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں

"خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر دو گونہ است، یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است و مخصوص بحضرت علی است"

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴-۵۴)

(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے، یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں "باطنیت" کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسو درازؒ بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

(۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (B A S I C D O C T R I N E S) قرآنی

لہ گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تانا شاہ، شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی اثنا عشری شیعہ بقائمی ہوش و حواس کسی سنی کا مرید نہیں ہو سکتا۔ اس لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسو دراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

تعلیمات کے خلاف ہیں اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے تا کہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا[1] اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علی سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کئے۔ اس طرح عوام ان کے معتقد ہو گئے اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے چنانچہ کچھ عرصے کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے۔ ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ کر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۳ھ خورشیدی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤالدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار بر این شکل

---

[1] اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں۔

"رسالہ در حقیقت دین" مصنفہ شہاب الدین شاہ ولد شاہ علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۴۷ واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے۔ یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوّف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسمٰعیلیت اور فلسفہ تصوّف میں بہت سے امور مشترک ہیں۔" یہ رسالہ فارسی میں ہے آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۳۳۳ھ میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوّف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوّف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوّف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گردد۔"

وہ شکل یہ ہے :۔

هـــلج هلج	هـــلج هلج

میں نے افادۂ عام کے لئے یہ شکل بجنسہ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صـ۲۰۱ سے صـ۱۱۶ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقشِ مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔ تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گذری جس کا نام دار النظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبد اللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صـ۱۰ پر "اسم اعظم" بایں صورت مرقوم ہے :۔

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے صـ۱۲۶ پر بضمن خواصِ سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہ نقل کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں :۔

<u>بقیہ حاشیہ صـ۱۱۵ سے آگے</u> :۔ (الف) فصل پنجم در معرفت ؛ در حدیث قدسی می فرماید" اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم۔ و در جائے دیگر است" اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم" از آیت چناں معلوم می شود کہ اگر رسول، ولایت او را ظاہر نمی ساخت۔" رسالت ناقص بود پس ایں ہم اسباب آفرینش و ارسالِ رسل و انزالِ کتب برائے شناختن او (علی) بود"۔ صـ۱۳

(ب) اے جلوۂ حق! چہ طور آشکار شدی کہ ہمہ فکر ہا در تو متحیر ماندند۔ خوشا جمالِ ازل خویش را پنہاں ساختی و ایں طور آشکار شدی کہ جمعے خدایت خواندند۔" صـ۲۱

(ج) "محمد و علی ہر دو یک نور بودند ... درمیانِ مردم بدو لباس جلوہ نمودند۔" صـ۲۴

"من کتبہا وجعلہا فی فراشہ الذی نیام فیہ لم تحیلم ابداً وان کتبت بماءِ زمزم وشربہا انقطع عنہ شہوۃ الجماع فان جامع لم یجد لذتہ"۔

غالباً یہ مصرعِ انیس کا ہے کہ: دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے، میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں۔

دل صاحبِ ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآن سے یہ دل لگی! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا بہرحال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست[۱]
کہ از یٰسین او ، آساں بمیری

(۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؓ کو "وصی نبیؐ" تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے۔ مگر افضل الاولیا والائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک شعر درج کرتا ہوں۔

بحقِ امامِ علیؓ مرتضیٰ وصیِ نبیؐ و ولیِ خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سُنت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سُنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انورؐ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا۔ مگر شاہ صاحب حضرت علیؓ کو صاف لفظوں میں وصیٔ نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

ولیٔ حق، وصیٔ مصطفےٰ دریائے فیضانے
امامِ دو جہانے، قبلۂ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سُنی تھے مگر بباطن شیعہ تھے کیونکہ مناجات در کنار، انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سُنّی ہیں مگر حضرات عثمان غنیؓ، عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی تنقیص و تحقیر و توہین میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سیدالاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل جیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا مقصد اقصیٰ، تحفۃ الراغبین، بہجۃ الاسرار زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں، ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں، کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف "منقول است" کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب موضوعات سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:

(ا) سیرۃ النبی کا اولین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے ...... اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

(ب) کنت کنزاً مخفیاً الخ حدیث نہیں ہے (۱)

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کے خطبہ نہ دے سکنے کی

لہ اکثر صوفیا اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی، شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

روایت بھی غلط ہے۔

(د) کان اللہ ولم یکن معہ شئی، یہ بھی حدیث نہیں ہے

(ہ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے۔

فان أئمۃ الحدیث لم یثبتوا للحسن البصری من علی سماعا ص۲،۲

(و) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرتؐ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا۔ آنحضرتؐ نے حضرات صدیق اکبرؓ فاروقِ اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کروگے؟ ان کے جوابات سے آپ مطمئن نہ ہو سکے لیکن حضرت علیؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکوگے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہؓ کی وضع کردہ ہے۔

(ز) یہ روایت کہ حضرت علیؓ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو تاکہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں، بھی غلط ہے[1]

(ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرتؐ نے مجمع عام میں فرمایا کہ "علیؓ میرا وصی ہے" قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

(ط) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے ام المومنین سیدۃ النساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے فرمایا تھا کہ "علیؓ کے خلاف خروج مت کرنا"

پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا سراسر کذب اور افترا ہے اور ام المومنینؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

---

[1] یہ عاجز حضرت علیؓ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرت اور تمام صحابہؓ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم وتدبر

(ی) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہؓ کو نہیں سکھائے۔ بالکل غلط ہے[1]

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ "روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں صرف ۳ لاکھ روایات وضع کی تھیں" اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے بشرطیکہ تعصّب مانع نہ ہو جائے۔

اِستدراک

بخوف طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہئے کہ باطنیہ نے یہ علم ایجاد کیوں کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان و قلوب کو کسی قیل و قال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں۔

(۱) شیعوں کے بارھویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے، اس کی عظمتِ روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! "نور" کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں "ظہور حق" ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

---

[1] یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرتؐ بحیثیت رسولؐ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سِر (بھید) نہیں، کوئی راز نہیں، کوئی خفا نہیں، کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے چنانچہ "تلک آیات الکتاب المبین" میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلا گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے (یوسف)

(۳) حی کے عدد ۱۸ ہیں۔ اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں۔ اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے۔ اسی لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہوجائیں۔ وہاں بہائی محفل قائم کی جاسکتی ہے۔

(ماخوذ از باب کی نئی تاریخ مؤلفہ براؤن ضمیمہ دوم ص ۳۲۵ تا ص ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدوّن کیا تھا۔ ان میں فیثاغورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے، فیثاغورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ نو ۹ کا عدد کامل ہے اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ

(ا) صوفیا بالعموم صیرفیٔ حدیث نہیں ہوتے۔ اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

(ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوءِ ادب سمجھتے ہیں یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کرینگے اور اس طرزِ بیان کو "چھوٹا منہ بڑی بات" سے تعبیر کریں گے۔ اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوّف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنیؒ سے ہے۔ جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

صوفیہ کی کتابوں میں" رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر"
کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عبلہ
کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں
ہوسکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبدالعزیزؒ جیسے متبحر محدث نے دیکھا
ہے پس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائیگا
کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور
شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے، بھلا
ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور انہیں نہ اس کی عادت ہے۔ پس
جو سن لیا یا دیکھ لیا، اسے باور کر لیا، ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسولؐ
ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل صـ۳۰۰ و صـ۳۰۹)

اگرچہ میرے زاویہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لئے یہی اقتباس کافی ہے تاہم مزید اطمینان کے لئے ایک اقتباس اور پیش کئے دیتا ہوں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ) علم طریقت اور
تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس
کے امام حضرات ابوحنیفہ و محمد و ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام ہیں۔ اس بارے میں
(سجدہ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہو گا۔ حضرات شیخ عبدالقادرؒ
جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ، خواجہ بہاؤالدینؒ نقشبند اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ
کے اقوال، فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے۔ اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب
سے اونچے پہاڑ ہیں۔ (مکتوب ۸۸ از مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد سوم صـ۲۳۵)

حضرت اقدسؒ کے ان ارشادات اور ان کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ میرا زاویہ نگاہ بالکل درست ہے، الحمد للہ علی ذلک۔

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسمٰعیلیہ باطنیہ فرقے نے صوفیوں کے لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی جس کی وجہ سے خالص اسلامی تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہو گئی کہ آج اکثر سنی صوفیا ان روایات

اوران عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر سید حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے (IDEALS AND REALITIES OF ISLAM) اسلام کے مطامح نظر اور حقائق۔ وہ ــــ ہیں:

"منگولوں کے حملے کے دور میں ایران میں اسمٰعیلی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں اسمٰعیلیت مستور ہو گئی۔ اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں۔ دراصل اس زمانے میں تصوف اور اسمٰعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔" صہ ۶۰۔۱۵۹

"اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے اور اس اعتبار سے وہ تصوّف کی ہمنوا ہے۔" صہ ۱۶۰

"تصوّف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ "نورِ محمدی" آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے۔" صہ ۱۶۱

"اسمٰعیلیت اور تصوّف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصل اعلیٰ (SUPREME PRINCIPLE) بیک وقت موجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے۔" صہ ۱۶۹

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف "مذہب اور باطنی تعلیم" میں لکھتے ہیں کہ ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوّف کو ایران میں بارھویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسمٰعیلی) مبلغ صوفیا اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں" صہ ۳۲۸

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں "یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اسمٰعیلی مبلغ تصوّف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بعض جماعتیں مثلاً اناطولیا کے بکتاشی یا کشمیر کے نور بخشی جو منصوفانہ سلوک و طریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں صہ ۳۲۸

(بقیہ عرض مدیر)

رپورتاژ ان شاء اللہ 'میثاق' کی اشاعت بابت نومبر ۷۶ء میں شائع ہو جائے گی ——— مختصر یہ کہ اس تربیت گاہ کے نتیجے میں ایک وسیع حلقے میں اس قرآنی دعوت کا تعارف ہوا اور معتدبہ تعداد میں ایسے حضرات سامنے آئے جو اس کام میں اپنا وقت پیسہ توانائیاں صرف کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ ہیں۔ نتیجۃً پوری توقع ہے کہ وسط اکتوبر تک ان شاء اللہ العزیز ''انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد'' کا قیام عمل میں آ جائے گا۔ و ما ذالک علی اللہ بعزیز

اس تربیتی پروگرام کی تکان ابھی اتری نہ تھی کہ رمضان المبارک تشریف لے آئے اس ماہ مقدس کا اپنا پروگرام بھی کچھ کم نہیں ہوتا چنانچہ اکثر دینی اداروں میں اس ماہ میں تعطیل ہوتی ہے۔ لیکن راقم نے اس سال اللہ تعالیٰ کی امداد و نصرت کے بھروسے پر کام کم نہ کیا بلکہ بڑھا ہی لیا چنانچہ اتوار کا مسجد شہداء کا درس تو خیر رہتا ہی، ہفتہ کی شام کا مسجد خضراء کا درس بھی جاری رہا اور وہاں کے بعض رفقاء دو ڈھائی صد افراد کے لیے افطاری کا بندوبست کرتے رہے۔ مزید برآں ۵ تا ۹ ستمبر روزانہ عصر تا مغرب راقم نے مسجد شہداء میں اپنے ہی کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کی مزید تشریح و توضیح کی اور وہاں بھی بعض احباب دو ڈھائی سو شرکاء کے لیے روزانہ افطاری کا اہتمام کرتے رہے۔ اس مسجد سے متعلق ایک صاحب خیر نے ایک ہزار کی تعداد میں اس کتابچے کے نسخے خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کیے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اس سب کے باوجود بھی ارادہ یہی تھا کہ 'میثاق' کا ستمبر اکتوبر کا پرچہ پورے اہتمام سے شائع کیا جائے، اور قارئین 'میثاق' اور رفقاء و احباب تنظیم اسلامی جو تشنگی محسوس کر رہے ہیں اس کی سیری کا بندوبست کیا جائے لیکن فضل ربانی و عنایت رحمانی کا رخ کسی اور ہی جانب تھا۔ راقم کے خیال و گمان میں کہیں دور دور تک بھی اس کا امکان نہ تھا لیکن قدرت خدا وندی سے اچانک اور بالکل ''من حیث لا یحتسب'' کے سے انداز میں بیت اللہ کے عمرے کی صورت نکل آئی۔ چنانچہ راقم ان شاء اللہ العزیز ۱۹۔ ستمبر کو لاہور سے روانہ ہوکر ۸۔ اکتوبر کو واپس آئے گا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں، یا تو پرچے کی اشاعت مزید موخر کی جاتی۔ یا پھر یہ صورت تھی جو اختیار کر لی گئی ان شاء اللہ احباب و رفقاء اسے پسند فرمائیں گے۔ فقط

خاکسار : اسرار احمد عفی عنہ

Regd L. No. 7603
MONTHLY MEESAQ LAHORE

الحمد لله کہ **ڈاکٹر اسرار احمد** کی مقبول عام تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا عربی ترجمہ الاستاذ صہیب حسن السلفی کے قلم سے

ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن؟

کے عنوان سے شائع ہو گیا ہے۔ ہدیہ ../۴ (محصول ڈاک علاوہ)

شائع کردہ:

جمعیۃ خدام القرآن المرکزیۃ بلاہور

۱۲ ۔ افغانی روڈ، سمن آباد ۔ لاہور